ماھنامہ

مِلّیَة

فیصل آباد
پاکستان

ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ بمطابق اکتوبر، نومبر 2010ء

www.milliafsd.com

لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابنِ انیس مولانا حبیبُ الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

پیام آ ہی گیا

اللہ اللہ! جانِ جاناں کا پیام آ ہی گیا
لُطف کا پروانہ اِک دن میرے نام آ ہی گیا

جذبۂ بے اختیارِ شوق کام آ ہی گیا
اِک فقیرِ بے نوا تک دَورِ جام آ ہی گیا

عاجز و دَرماندہ، سرتاپا شکستہ، ہائے ہائے!
رفتہ رفتہ تا درِ بیت الحرام آ ہی گیا

آبِ حیواں کی تمنّا تھی، سو پُوری ہو گئی
چشمۂ زمزم پہ آخر تشنہ کام آ ہی گیا

اپنے ارماں پُورے کر لے، خُوب جی بھر کر یہاں
اے دلِ بیتاب! لے تیرا مقام آ ہی گیا

میری جاں جس پر فِدا، کون و مکاں جس پر نثار
سامنے وہ روضۂ خیر الانامؐ آ ہی گیا

اُن کی یہ ذرّہ نوازی، اُن کا یہ جُود و کرم
بارگاہِ قُدس میں بہرِ سلام آ ہی گیا

حاضری اب ہو رہی ہے سال کے بعد اے نفیسؔ
صبح کا بھُولا ہُوا گھر اپنے شام آ ہی گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
مِلّیہ
فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ جلد نمبر 6

بمطابق

اکتوبر، نومبر 2010ء شمارہ نمبر 12-11

فہرست مضامین

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

حضرت سید نفیس الحسینیؒ

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر: حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر: جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے — پاکستان میں سالانہ 200 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے

ماہنامہ ملیہ — جامعہ ملیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

041-8711569

0321-6611910

ناشر...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

Decl No. 3483-85

کلمة الحبیب

قادیانی لابی کی سپریم کورٹ بار میں کامیابی، لمحۂ فکریہ

ابنِ انیس حبیبُ الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدللّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین الصطفیٰ۔

عاصمہ جہانگیر سپریم کورٹ بار کی صدر منتخب ہوگئیں۔ اس پر ملک کے تمام مقتدر حلقوں نے نہ صرف خوشی کا اظہار کیا ہے بلکہ عاصمہ جہانگیر کی کامیابی کو ملک کے لئے نیک شگون قرار دیتے ہوئے مبارک باد کا تانتا باندھ دیا ہے۔

عاصمہ کا شوہر جہانگیر ایک غیر مسلم قادیانی ہے اور لازمی بات ہے کہ ایک غیر مسلم شوہر رکھنے والی عاصمہ کے نظریات بھی وہی ہونگے جو اس کے شوہر کے ہیں۔ یہ خود انسانی حقوق کی ایک آرگنائیزیشن کی صدر ہے۔ جس کی سرپرستی عالمی ادارے کرتے ہیں۔ اسلام کے وہ اصول جو کہ غیر مسلموں کے نزدیک انسانی حقوق کے خلاف ہیں ان اصولوں کے خلاف لڑنا عاصمہ کا پیشہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کے گھروں میں جشن کا سماں ہے، گھی کے چراغ جلائے جارہے ہیں، ایک دوسرے کو مبارک باد دی جارہی ہے، اسلئے کہ بڑے عرصے کے بعد قادیانیوں کو عوامی سطح پر ایک کامیابی ملی ہے۔

۱۹۷۴ء میں قادیانی مملکت خداداد پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جاچکے ہیں۔ وہ اسمبلی جس میں مذہبی راہنماؤں کے ساتھ ساتھ سیکولر سیاسی راہنما (جن کے نزدیک مذہب ایک ذاتی معاملہ ہے) سب نے متفقہ طور پر اسمبلی ہال میں قادیانیوں پر 13 دن جرح کرنے کے بعد انہیں غیر مسلم قرار دیا۔ مگر قادیانیوں نے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اسی وقت سے قادیانیوں نے دنیا میں اس فیصلے کے خلاف پروپیگنڈا شروع کردیا، اور اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے پاکستانی حکومت اور مذہبی اداروں کی طرف سے ظلم کی من گھڑت داستانیں تخلیق کیں، اور یورپی ممالک میں سیاسی پناہیں حاصل کر کے وہاں پر نشریاتی ادارے قائم کر کے دنیا کی حقوق انسانی کی تنظیموں کی اپنی طرف متوجہ کیا۔

چونکہ یہ تحریک مذہبی راہنماؤں نے عوامی سطح پر چلائی تھی اوراس تحریک کی وجہ سے نہ صرف عوامی بلکہ حکومتی ادارے بھی اس میں آ گئے تھے۔اس وقت چونکہ ایک جمہوری حکومت تھی اس لئے حکومت کوعوامی مطالبہ پورا کرنا پڑا۔چنانچہ قادیانیوں نے عوامی سطح پرفرقہ وارانہ فسادات کرانے شروع کردیئے ،جس سے عوام میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ یہ مولویوں کے فرقہ وارانہ مسائل ہیں۔جس طرح شیعہ ،سنی، دیوبندی، بریلوی،اہل حدیث اسلام کے نام پر فرقے ہیں اسی طرح قادیانی بھی ایک اسلامی فرقہ ہے۔اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے،اس لئے ہمیں کافر کہا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک فرقہ وارانہ فساد کی لپیٹ میں آ گیا۔دوسری طرف انسانی حقوق کے نام سے غیر ملکی دولت پر پلنے والی این۔جی۔اوز نے سول سوسائیٹی کے نام پر ایک گروہ پیدا کیا۔جس میں تمام لامذہب اور یورپ کے مادر پدر آزاد معاشرے کے دلدادہ افراد پیش پیش تھے۔ان لوگوں نے غیر ملکی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے سول سوسائیٹی ایجاد کی۔اسی کے ساتھ ساتھ سیکولر قسم کے عیاش صحافیوں کو مالی مدد کے ذریعہ خریدا گیا۔ان میں ایسے لکھاریوں کی اکثریت ہے جن کو قادیانیت کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔اورتحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کی تفصیل کا بھی بالکل علم نہیں۔

نیز عدلیہ کی آزدی کی ایک تحریک چلائی گئی۔یہ صحیح ہے کہ پرویز مشرف کی ہٹ دھرمیوں نے ملک کواس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ اب اس سے باہر نکلنا بہت مشکل ہو چکا ہے۔انہی ہٹ دھرمیوں میں چیف جسٹس کی برطرفی ہے۔چنانچہ اسی کی آڑ لے کر عدلیہ کی آزادی کی تحریک چلی۔جس میں بڑا کردار وکلاء تنظیموں کا ہے۔اس میں بھی سپریم کورٹ بار سرفہرست ہے۔ججوں کی بحالی کے بعد ہمارے حکمرانوں کی نااہلی اور کرپشن کی وجہ سے سپریم کورٹ کے ججوں کی طرف سے نوٹس لینے کی بنیاد پر عدلیہ کو بے لگام ہونے کا موقع مل گیا۔اور قانون ساز پارلیمنٹ کی حیثیت دوسرے درجے کی ہوگئی۔پارلیمنٹ کے فیصلوں کوسپریم کورٹ میں چیلنج کیا جارہاہے۔جس میں انسانی حقوق کی پامالی سرفہرست ہے۔ہرشخص انصاف کے حصول کے لئے سپریم کورٹ کے دروازے کھٹکھٹانے لگ گیا۔اسی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے عاصمہ جہانگیر کواستعمال کرڈالا۔اوراب وہ سپریم کورٹ بار کی صدر ہے۔

ہوسکتا ہے کہ قادیانیوں کا اگلا قدم یہ ہو کہ وہ سپریم کورٹ میں قادیانیوں کے خلاف ۱۹۷۴ء کے اسمبلی کے فیصلہ کوانسانی حقوق کی آڑ لے کر چیلنج کردیں۔اس کے لئے انہوں نے کافی حد تک کام مکمل کیا ہوا ہے۔

دوسری طرف ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم نے سپریم کورٹ بار کے الیکشن کے معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ عاصمہ جہانگیر صرف چالیس ووٹ زیادہ لے کر کامیاب ہوئی ہے۔ یہ کوئی اتنا بڑا فرق نہیں تھا کہ جس کو پورا نہ کیا جاسکتا ہو۔ اگر اس وقت تیسرے امیدوار کو بٹھا دیا جاتا تو عاصمہ جہانگیر کسی صورت کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ تیسرے امیدوار نے صرف 127 ووٹ حاصل کیئے، لگتا ہے کہ یہاں پر بھی قادیانی لابی نے چالاکی دکھائی، اس کو صرف ووٹ تقسیم کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ ورنہ عاصمہ جہانگیر کا مدمقابل ضرور کامیاب ہوجاتا۔

ہماری وہ جماعتیں جو کہ قادیانیت کے تعاقب میں کام کررہی ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی عملی سرگرمی نہیں دکھائی۔ جبکہ ہمارے اکابرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ انہوں نے جہاں پر قادیانیوں کا علمی محاسبہ کیا ہے وہاں پر انہوں نے قادیانیوں کا قانونی، سیاسی اور عوامی گھیراؤ بھی کیا۔ تقسیم ہند سے قبل مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ایسی پرزور تحریک چلائی کہ قادیانی ہی نہیں بلکہ ان کی سرپرست برطانوی حکومت بھی گھبرا اُٹھی۔ اور ملت اسلامیہ کا ہر خاص و عام قادیانیت کے فریب سے آگاہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کو بھی قادیانیت کے خلاف سینہ سپر کیا۔ وہ لوگ جو کہ قادیانیت کو مولویوں کا مسئلہ قرار دیتے تھے، وہ بھی ہمارے بزرگوں کی کوششوں سے قائل ہوگئے۔

پھر قیام پاکستان کے بعد قادیانی پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوگئے، مگر عوامی سطح چلائی گئی ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت نے اس مسئلہ کو پھر اُجاگر کردیا۔ پھر قادیانیت پر آخری ضرب سیاسی سطح پر ہی لگانی پڑی۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک علیحدہ طبقہ قرار دے دیا۔

ہمارے وہ اکابر جنہوں نے قادیانیت کا علمی او عوامی سطح پر تعاقب کیا وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان بزرگوں کی جو عوامی رابطہ مہم تھی وہ اس وقت مفقود ہوچکی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ پر کام کرنے والی پہلے صرف ایک جماعت ہوا کرتی تھی، اب آپس کے ذاتی اختلافات، اور دوسرے سے آگے نکلنے کی خواہش نے مختلف جماعتیں پیدا کردی ہیں۔ اور ان کی باگ ڈور ایسے ہاتھوں میں ہے کہ جو قربانی وایثار کے اس جذبہ سے خالی ہیں جو کہ ہمارے پہلے اکابر میں ہوا کرتا تھا۔ آجکل تو بس سالانہ ایک دو ختم نبوت کانفرنس کرادینے کا نام ہی تحریک رکھ دیا گیا ہے۔ عوامی، سیاسی اور اجتماعی عمل

بالکل مفقود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاصمہ جہانگیر کی کامیابی کے لئے ان سیاسی لوگوں نے بھی بھرپور حمایت کی جو کہ معاشرے میں دیندار کہلاتے ہیں۔ قادیانیوں نے لاہور میں اپنے معبد پر حملہ کو اس معاملہ میں مظلوم بنا کر پیش کیا۔ اس پر نواز شریف نے قادیانیوں کو اپنا بھائی تک کہدیا، ہماری جماعتوں کے کونسے افراد تھے جو بذات خود نواز شریف سے اس معالے میں ملے ہوں، اور نواز شریف سے اس بیان کو واپس لینے پر مجبور کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میاں نواز شریف نے کُھل کر عاصمہ جہانگیر کی حمایت کی، ہماری کون سی جماعت تھی جو کہ اس مسئلہ پر نواز شریف اوار اس جیسے دوسرے سیاسی لیڈروں یا وکلاء کی تنظیموں یا افراد سے ملی ہو۔ اب جبکہ عاصمہ جہانگیر کامیاب ہوگئی تو انہی طبقوں کی طرف سے مبارکبادیں دی جارہی ہیں۔

بہرحال اب بھی وقت ہے کہ ہوش سنبھالا جائے، قادیانیوں کی اب کوشش یہ ہوگی کہ کسی نہ کسی طرح سے ۱۹۷۴ء کے پارلیمنٹ کے اس فیصلے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دینے کے لئے سپریم کورٹ سے رجوع کریں۔ ترکی کے اندیہی کچھ ہوا ہے کہ پارلیمنٹ نے عورت کے پردے کے حق می قراداد منظور کی مگر سپریم کورٹ نے اسے غیر قانونی قرار دیدیا۔ اس کے لئے ہم لوگوں کو متحد ہو کر مقابلہ کرنا ہے، سب سے بڑی بات عوامی رابطہ مہم ہے، قادیانیوں کے خلاف جتنی بھی ہم نے کامیابیاں حاصل کی ہیں ان میں عوامی رابطہ کا سب سے بڑا کردار ہے۔ اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت قادیانی مصنوعات کا بائیکاٹ کرانا ہے۔ آجکل اچھے بھلے باشرع دیندار لوگوں کے جنرل سٹوروں پر قادیانیوں کی مصنوعات بڑے پیمانے پر فروخت کی جارہی ہیں۔ ان لوگوں کے ذہنوں کو اس بات پر مائل کرنا ضروری ہے کہ قادیانی ہم سے ہی کمائی ہوئی دولت ہمارے خلاف استعمال کررہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ قانونی جنگ کے لئے تیاری ضروری ہے، اس کے لئے راسخ العقیدہ وکلا کا ایک پینل بنایا جائے۔ تیسرے پارلیمنٹ کے ارکان سے انفرادی ملاقاتیں اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے سربراہاں سے بھی رابطہ ہونا چاہیے۔ ہاتھ پر ہاتھ کے بیٹھ جانا دانش مندی نہیں، اور نہ ہی کانفرنسیں اس کا حل ہیں، یادرکھیں اگر قادیانی مسئلہ میں ہماری نرمی اور سستی کی وجہ سے کچھ گنجائش پیدا کردی گئی تو پھر کبھی اس خلاء کو پُر نہیں کیا جاسکے گا۔

تقابل ادیان کے نصاب میں قادیانیت کو بھی شامل کیا جائے

اگرچہ پاکستان میں قادیانی امت قانونی طور پر غیر مسلم قرار دی جاچکی ہے، اور پورے عالم اسلام نے بھی ان کو غیر مسلم قرار دیدیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو حرمین شریفین میں بھی داخلے کی اجازت نہیں۔ مگر اس

کے باوجود یہ لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے۔ خصوصا وہ لوگ جو کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے پی ،ایچ،ڈی وغیرہ کرتے ہیں، ان لوگوں میں قادیانی زیادہ کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ان سادہ لوح مسلمانوں کو چونکہ قادیانیت سے آگاہی نہیں ہوتی اس لئے وہ لوگ ان کے دام وفریب میں آجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں ایک موضوع ''تقابل ادیان'' ہے جس میں مختلف مذاہب کا تقابل پڑھایا جاتا ہے۔ جس میں اسلام، عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت، سکھ، وغیرہ شامل ہیں۔ دنیا میں انہی کو مختلف مذاہب سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ قادیانیت کو اس نصاب میں شامل نہیں کیا گیا، اس لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے اس موضوع میں بھی قادیانیت کو اسلام کا ہی ایک حصہ یا زیادہ سے زیادہ بگڑا ہوا گروہ سمجھتے ہیں۔ جبکہ یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کم از کم ہمارے ملک کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں باقاعدہ قادیانیت کو موضوع بنایا جائے۔ اس کے متعلق ان تنظیموں اور جماعتوں ''جو قادیانیت کے خلاف متحرک کردار ادا کررہی ہیں'' سے گذارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں اعلیٰ سطح پر حکومتی اہلکاروں کو متوجہ کریں، اور اس پر عمل درآمد کرائیں، تاکہ ہمارے ملک کا وہ نوجوان طبقہ جس کے ہاتھ میں اس ملک کی باگ ڈور آنے والی ہے وہ قادیانیت کے شر سے محفوظ رہ سکے۔

مزارات پر بم دھماکوں نئی لہر

ہمارا ملک جو کہ پہلے ہی مصائب کی چکی میں پس رہا ہے وہاں ایک نئی مصیبت لاد دی گئی ہے۔ افغانستان میں عالمی گماشتوں کی سرکردگی میں ان کے مفادات کی جنگ میں ساتھ دینے کی بنیاد پر ہمارے ملک میں جس دہشت گردی کا باب شروع کیا گیا ہے وہ اب تک بند ہونے کی بجائے مزید پھیلایا جارہا ہے۔ پہلے تو اس دہشت گردی سے صرف افراد ہی نشانہ بنتے تھے، پھر عوامی سطح پر کام شروع ہوا، سینکڑوں نہیں ہزاروں بے گناہ افراد اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سیاسی اور مذہبی شخصیات غیر محفوظ ہوگئیں۔ اب دھشت گردی کی ایک نئی لہر شروع کردی گئی ہے۔ جس میں مزارات کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ پہلے حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کو لاہور میں نشانہ بنایا گیا، پھر اس کے بعد گذشتہ ماہ کراچی میں عبداللہ شاہ غازیؒ کا مزار اور پھر پاکپتن میں باوا فرید گنج شکر کے مزار کو یکے بعد دیگرے نشانہ بیان گیا۔ اس کا مقصد صرف اور صرف ملک میں فرقہ وارانہ فساد پیدا کرنا ہے۔ ضعیف الاعتقاد عوام الناس کے دل میں فرقہ واریت کے عفریت کو سرایت کرنا ہے، تاکہ مسلمانوں کو لڑا کر اس مملکت خداداد کو کمزو کیا جاسکے۔ آج کل ایک اصطلاح عام ہے کہ یہ کام کسی مسلمان کا نہیں، میری نزدیک اس قسم کے کام کے لئے غیر مسلم ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ہمارے ملک میں کتنے غیر مسلم ہیں جو کہ اس ملک کے وفادار ہیں، بلکہ یہ کام ملک دشمن عناصر کا ہے جن کے نزدیک ملک قوم اور انسانیت کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ کام کرنے والے عالمی استعمار کے ایجنڈے کو پورا کررہے ہیں۔ لہذا اس چیز کی ضرورت ہے کو قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ یہ کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ نہیں بلکہ عالمی سازش ہے۔



فلسفۂ قربانی
قرآن وحدیث کی روشنی میں

حافظ محمد صدیق ارکانی

حامداً و مصلیاً و مسلماً...... چونکہ قربانی ایک عظیم عبادت ہے اس لئے مسلمانان عالم ہر سال دسویں ذی الحجہ کو گائے وغیرہ ذبح کر کے یہ عبادت سرانجام دیتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ اس ایک دن میں اطراف عالم میں لاکھوں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔

اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان میں ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک لاکھ تیس ہزار چھوٹے جانور اور دو لاکھ ساٹھ ہزار بڑے جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔لیکن دشمنان اسلام مسلمانوں کو اس عبادت سے روکنے کے لئے مختلف النوع حربے استعمال کرتے ہیں،اور مستشرقین و اعداء دین متین نامعقول شبہات واعتراضات وارد کرتے ہیں۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ اس سے سالانہ اربوں روپے ضائع ہوتے ہیں،جس سے معیشت پر اثر پڑتا ہے۔کبھی کہا جاتا ہے کہ لوگ گوشت کھا کھا کر بیمار پڑ جاتے ہیں،کبھی کہا جاتا ہے کہ مکہ معظّمہ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے قربان گاہ نہیں،جہاں اجتماع حج کے موقع پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔کبھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایک دن اتنی تعداد میں جانور ذبح کرنے سے نسل معدم ہو جائے گی،کبھی کہا جاتا ہے کہ اس طرح جانورں کو ذبح کرنا تعذیب حیوان ہے جو مکروہ فعل ہے،کبھی کہا جاتا ہے کہ ذبح کرنا ہی کیوں ضروری ہے مال وُیرہ صدقہ کر دیا جائے۔

اس طرح اور بھی بے شمار شبہات واعتراضات کے ذریعہ کلمہ گو مسلمانوں کو اس عظیم عبادت سے روکا جاتا ہی،اس لئے مناب معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی حقیقت و ماہیت اور فضیلت کے متعلق چند آیتوں اور روایتوں کا تذکرہ کیا جائے تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ قربانی صرف جانور ذبح کرنے ہی سے ہوتی ہے اور یہ باعث رحمت برکت ہے نہ کہ زحمت۔

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کی طرح قربانی بھی ایک اہم عبادت ہے۔ یہ عبادت صرف ذبح کے ساتھ خاص ہے، ذبح کے بغیر یہ عبادت ادا نہیں ہوگی۔ اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرتا مگر خدا تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا، اس لئے حکم دیا کہ تم جانور ذبح کرو۔ ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب کے ذریعہ بشارت دی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں، یعنی اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ شفقت پدری آڑے آ سکتی ہے۔ تاہم حکم خداوندی کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر جھکا دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منیٰ کے منحر میں لے گئے اور بیٹے سے فرمایا......

انی اریٰ فی المنام انی اذبحك فانظر ماتریٰ‘‘

کہ بیٹا مجھے خدا تعالیٰ نے بذریعہ خواب والہام حکم دیا ہے کہ میں راہ خدا میں تجھے ذبح کروں ،حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا......افعل ماتؤمر‘‘یعنی جو آپ کو حکم ہوا وہ ضرور کیجیے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے چھری تیز کی اور حکم خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلادی۔ لیکن چھری کند ہوگئی اور اس وقت حکم ہوا......قدصدقت الرؤ یاً‘یعنی بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا‘‘

انا کذالك نجزی المحسنین،وفدیناہ بذبح عظیم‘‘

ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں ،اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی دن سے گائے ،مینڈھا، بکری وغیرہ قربانی فدیۂ مقرر ہوگیا۔

یہ واقعہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو پیش آیا ،اس لئے دوالحجہ کی دسویں تاریخ کو قربانی کرنا واجب ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ابابیل نے پیش کی تھی۔

ابن کثیر کے مطابق اس مینڈھے کے سینگ سالہا سال تک کعبہ شریف کے اندر لٹکتے رہے

ہیں، یہاں تک کہ جب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں کعبۃ اللہ میں آتشزدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے۔

(ابن کثیر جلد۴، صفحہ۱۸)

قربانی کی انتہائی صورت یہ ہے کہ جان قربان کی جائے۔عشق الٰہی میں جان قربان کر کے موت کو گلے لگانا فنا نہیں بلکہ عین بقاء ہے۔یہی قربانی ہے جسے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ پیش کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اب ذیل میں قربانی کے متعلق چند آیات وروایات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)......لن ينال الله لحو مها و لادما ئها ولكن يناله التقوىٰ منكم (سورۃ حج) یعنی خداتعالیٰ کو تو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ رقم طراز ہیں کہ اس قربانی کے ذریعہ ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔(تفسیر عثمانی)

اس آیت سے پتہ چلا کہ قربانی بلکہ ہر عبادت میں خلوص اور رضائے الٰہی ضروری ہے۔

(۲)......فصلّ لربّك وانحر (سورۂ کوثر) اور نماز پڑھ اپنے رب کے لئے اور قربانی کر۔اس آیت میں وانحر امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ قربانی واجب ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نحر کے معنیٰ قربان کرنے کے ہیں۔گویا اس میں مشرکین پر تعرض ہوئی کہ وہ نماز اور قربانی بتوں کے لئے کرتے تھے،مسلمانوں کو یہ خالص اللہ کے لئے کرنے چاہییں۔

(۳)......قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین (پارہ۸) کہہ دیجئے میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور مرنا رب العالمین کے لئے ہیں۔

(۴)......ولكل امة جعلنا منسكا ليذكروا اسم الله على مما رزقهم من بهيمة الانعام (پارہ۱۷) اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کر دی تھی تا کہ وہ ان جانوروں پر جو انہیں خدا نے عطاء فرمائے تھے، اللہ کا نام یاد کریں۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ ہر امت پر قربانی کا حکم تھا۔اس آیت کے تحت امام جصاصؒ لکھتے

ہیں: اس آیت میں ''نسک'' سے اُضحیہ (قربانی) مراد ہے (احکام القرآن للجصاص)

(۵)......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا کوئی عمل قربانی کے دن خدا کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کُھر وں کے ساتھ موجود ہوگا اور قربان کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کے ہاں مقبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ تم اس عمل کو کر کے دل ٹھنڈا کیا کرو۔ (یا ٹھنڈے دل سے اس پر عمل کرو) (ترمذی، ابن ماجہ)

(٦)......صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے اُضیحہ کے بارے میں سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ ما هذه الاضا حی، یعنی یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا سنة ابيكم ابراهيم، یعنی تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ صحابہؓ نے استفسار کیا فمالنا فيها يا رسول الله ﷺ، یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ اس میں ہمارا کیا نفع ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا بكل شعر ة حسنة یعنی قربانی کے ہر بال پر ایک نیکی ملے گی۔ قالوا فالصوف يا رسول الله ﷺ، قال بكل شعرة مالصوف حسنة، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس قربانی میں ہمارا کیا نفع ہے؟ آپ نے فرمایا، قربانی کے ہر ہر بال کے عوض ایک ایک نیکی ملے گی، اسی طرح بھیڑ وغیرہ کی اون میں بھی (احمد و ابن ماجہ)

(۷)......صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی......ان نستشرف العين والاذن۔ یعنی ہم قربانی کی آنکھ اور کان خوب دیکھ بھال کر لیا کریں۔ وان لا تضحى بمقابلة ولا مدابرة ولاشرقا ولاخرقا، ہم نہ قربانی کریں ایسے جانور کی جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو اور نہ پیچھے سے کٹا ہوا ہو، اور نہ جس کا کان چیرا ہوا ہو، اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہوں۔

(۸)......قال رسول اللّٰه ﷺ من وجد سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا ......(مشکوٰۃ) یعنی جو شخص باوجود استطاعت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہوں میں نہ آیا کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے......قال رسول اللّٰه ﷺ من كا ن له يسار فلم يضح فلا يقربن مصلانا (احکام القرآن للجصاص) حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص امیر ہوتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

(۹)......قال رسول اللّٰہ ﷺ سمنوا ضحایاکم فانھا علی الصراط مطایا کم (مشکوٰۃ) یعنی اپنی قربانی کے جانورں کو خوب موٹا تازہ کرو کیونکہ پل صراط پر تمہاری سواری بنیں گے۔بعض محدثین نے اس حدیث کوموضوع قرار دیا ہے۔

(۱۰)......عن ابن عمرؓ قال اقام رسول اللّٰہ ﷺ بالمدینۃ عشر سنین یضحی (مشکوٰۃ) حضور ﷺ نے مدینہ میں دس سال تک قیام فرمایااور ہر سال قربانی کی۔

(۱۱)......عن عائشۃ قالت اھدی النبی ﷺ مرۃ الی البیت غنما فقلدھا (مشکوٰۃ) آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک بھیڑ قربانی کے لئے بیت اللہ کی طرف بھیجی تو اس کی گردن میں قلادہ ڈال دیا۔

(۱۲)......عن انسؓ قال ضحی رسول اللّٰہ ﷺ بکبشین املحین اقرنین ذبحھمابیدہ وسمی وکبرقال رایتہ واضعا قدمہ علی صفا حھما ویقول بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر (متفق علیہ) حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے دوخاکستری رنگ سالم مینڈھوں کی قربانی دی ۔انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، بسم اللہ اور تکبیر پڑھی۔آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ان کی گردن کے پہلوؤں پر پاؤں رکھے بسم اللہ اللہ اکبر کہتے سنا۔

(۱۳)......ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نماز عید سے فارغ ہوکر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی قربانی کرے اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے کھانے کی نیت سے قربانی کی وہ کھانے کا گوشت ہو گیا۔(تفسیر ابن کثیر)

(۱۴)......حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی خرچ کا فضل اللہ کے نزدیک بہ نسبت اس خرچ کے جو بقرعید والے دن قربانی (ذبح) پر کیا جائے ہرگز نہیں (دار قطنی وتفسیر ابن کثیر)

(۱۵)......فتاویٰ اور فقہ کی تمام کتابوں میں ہے کہ ائمہ مجتہدین کے نزدیک قربانی واجب ہے اور اس کا ترک گناہ عظیم ہے۔درمختار میں ہے فتجب الاضحیۃ ای ارافۃ الدم من النحر عملا لااعتقادا ''یعنی چوپائے سے خون بہانا عملی طور پر واجب ہے نہ کہ اعتقاداً۔ہدایہ جلد ۳ میں ہے الاضحیۃ واجبۃ علی کل حر مسلم مقیم مؤ سر فی یوم الاضحی ،یعنی قربانی کرنا ہر مالدار مسلمان پر قربانی کے دن واجب ہے۔

قربانی کے احکام و مسائل

مولانا منصور الزمان صدیقی

عیدالاضحیٰ پر قربانی کرنا استطاعت رکھنے والے کے لئے واجب ہے، حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ ایک ایسی سنت ہے جس کا ترک کرنا اچھا نہیں۔

قربانی کے احکام قرآن کریم اور احادیث میں ثابت ہیں۔ حضور اکرم خود بھی قربانی فرمایا کرتے تھے۔ قربانی پہلی امتوں پر بھی فرض تھی۔ اسلام میں یہ سنت ابراہیمی کے طور پر جاری ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم پر قربان کرنا چاہا تو یہ تعمیل حکم الٰہی کی مثال بن گیا۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دنبہ بھیج دیا اور وہ ذبح ہو گیا۔ لیکن اللہ کو اپنے بندہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ تعمیل حکم پسند آئی اور اس کو بطور سنت ابراہیمی جاری فرما دیا، جیسا کہ حج و عمرہ کے موقع پر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ضروری قرار دے دیا گیا جبکہ یہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ صاحبہ حضرت ہاجرہ کی سنت ہے اور بظاہر حج و عمرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ذکر کا انعام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں بیٹے کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اللہ نے ان کی اس ادا کو پسند فرما کر آپ کو ایسی بڑائی اور وقعت عطاء فرمائی کہ تمام عالم اسلام کے مسلمان اس سنت پر عمل پیرا ہیں، اور اسکی یاد مناتے ہیں قولاً و فعلاً۔ اللہ کا ذکر کرنے والوں کا عزت و احترام اظہر من الشمس ہے۔ ہر شہر میں ایسے اولیاء و بزرگ مدفون ہیں کہ صدیوں کے بعد بھی عوام ان کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور انتہائی عزت احترام سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لاہور میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے مزار پر شب و روز زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اور جو بھی حاضری دیتا ہے وہ قرآن کریم کی تلاوت، نوافل کی ادائیگی اور خیرات وغیرہ کرتا

ہے۔گویا کار خیر انجام دیتا ہے۔یہ بھی حضرتؒ کا فیض ہے کہ عام زائر کار خیر میں مصروف رہتا ہے(بشرطیکہ کسی بدعت یا خلاف شریعت امر کاارتکاب نہ کرے) برخلاف اس کے کہ اسی شہر میں بادشاہان وقت کے عالی شان مقبرے خوبصورت باغوں اور عمارتوں میں موجود ہیں ،لیکن وہاں حاضرین کی تعداد کا تناسب کیا ہے اور حاضری کا مقصد کیا ہے؟اس پر غور فرمائیں۔یہاں پر تفریحی مقاصد کے لئے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے جو اکثر فسق وفجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ہزاروں میں کسی ایک اللہ کے بندے کو توفیق ہوتی ہوگی کہ وہ فاتحہ خوانی کرے۔وہاں نہ فاتحہ مقصد ہے اور نہ روحانی فیض کے اسباب ہیں۔اگرچہ وہ اپنی حیات مستعار میں ایک بڑی سلطنت کے مالک اور مطلق العنان حاکم تھے۔

یہ سب تعمیل حکم وانعام ہے کہ اللہ نے ان کے ذکر کو رفعت وبلندی عطا فرمائی اور دنیا میں ان کے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا، آخرت کا انعام بھی ہوگا وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔گویا دنیا وآخرت دونوں میں انعام واکرام ہے۔

قربانی صرف تعمیل ارشاد کے تحت کی جاتی ہے، ورنہ اس کا خون یا گوشت اللہ کو نہیں پہنچتا بلکہ وہ مخلوق کے کام آتا ہے۔اصل چیز تعمیل احکام ہے،خلوص نیت ہے،اسی جذبے کے تحت نہ صرف قربانی بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ ادا کئے جاتے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس دور ابتلاء میں جہاں اور خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہاں ایک فتنہ یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ قربانی کی کیا ضرورت ہے اگر اس کی بجائے اتنی رقم خیرات کر دی جائے تو یہ مفید ہوگا اور ہسپتال اور سکول تعمیر کرادیئے جائے تاکہ پیسہ ضائع نہ ہو۔گویا قربانی کرنے میں پیسہ ضائع ہوتا ہے۔یہ انداز فکر مہاجنی فکر ہے، بنیاپن ہے، جہاں حقوق اللہ، حقوق العباد اور اتباع سنت کی بجائے سرمایہ کے حساب سے اعمال ہوں ظاہر ہے وہ عبادت نہیں تجارت ہوسکتی ہے۔

اگر قربانی سے پیسہ ضائع ہوتا ہے تو حج میں اس سے بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے۔لہذا حج بھی ختم کر دیا جائے اور اس کے خرچ کی رقم سے ہسپتال تعمیر کرادیئے جائیں۔نماز میں قیمتی وقت برباد ہوتا ہے اس کا کیا فائدہ ہے، یہ قیمتی وقت انسانی خدمت وہمدردی کے منصوبے کے تیار کرنے میں لگایا جاسکتا ہے، لہذا نماز بھی ختم کی جائے، نعوذ باللہ۔

دین سے انحراف:

ایک گروہ احادیث کا ہی منکر ہے، یہ منکرین حدیث ظاہر کرتے ہیں کہ قربانی صرف حج کرنے والوں پر ہے۔ منیٰ کے علاوہ کسی بھی جگہ قربانی جائز نہیں۔ گویا چودہ سو سال کے بعد اب مسئلہ کی صحیح صورت سامنے آئی ہے، ورنہ آج تک کسی نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا یا کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

یہ دوسرا فتنہ ہے جس کے خلاف سینہ سپر ہو کر مقابلہ کی ضرورت ہے، قربانی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ ہر سال عیدالاضحیٰ پر قربانی کیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے حج ۹ ہجری میں ادا فرمایا تھا۔ یہ حضور ﷺ کا واحد حج ہے، اسی کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ اس کے دوسرے برس آپ ﷺ نے پردہ فرمالیا۔ حضور ﷺ کا واحد حج تھا، لیکن قربانی اس سے قبل بھی کی جاتی رہی، ظاہر ہے کہ یہ قربانی مدینہ منورہ میں کی جاتی رہی ہوگی، جبکہ آپ ﷺ حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے۔

حضور ﷺ کے بعد حضرات شیخینؓ خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعین، تابعین اور تبع تابعین، غرض کہ ہر دور میں قربانی کا سلسلہ جاری رہا، جو الحمدللہ آج تک جاری ہے۔

شعائر اسلام:

قربانی بھی شعائر اسلام میں شامل ہے، اور ہر ذی حیثیت اور صاحب نصاب پر واجب ہے ، اس کے بڑے فوائد اور دور رس نتائج ہیں، جو اس مختصر مضمون میں پیش کرنا ناممکن ہے۔

قربانی پہلی امتوں پر:

قربانی کے سلسلے میں اللہ کا ارشاد ہے (ترجمہ) اور ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی رکھ دی تھی ، تا کہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو اس نے انہیں دے رکھے ہیں۔ (پارہ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۶)

تم بھی قربانی کرو:

سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ ...... پارہ ۳۰، سورۃ ۱۰۸)

قربانی شعائر اللہ ہے:

اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگاریں (شعائر اللہ) بنا

دیا ہے۔تمہارے حق میں انہی کے اندر بھلائی (رکھ دی گئی) ہے۔(پارہ ۱۷،سورۃ ۲۲،آیت ۳۶)

شعائر اللہ کا ادب کرو:

اور جو کوئی شعائر اللہ کا ادب کرے گا سو یہ دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے (یعنی تقویٰ قلبی ہے)(پارہ ۱۷،سورۃ ۲۲ آیت ۳۲)

تقویٰ اصل ہے:

اللہ تک ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ،البتہ اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے(پارہ ۱۷،سورۃ ۲۲،آیت ۳۷)

ان آیا کے علاوہ بھی متعدد بار قربانی کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے مگر ہم نے اختصار کی غرض سے مزید تراجم پیش نہیں کیئے۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ کے تراجم سے ثابت ہوتا ہے قربانی ہر امت میں جاری تھی ،قربانی شعائر اللہ ہے، اس کا ادب واجب اور ضروری ہے۔اس امت کے لئے بھی قربانی کا حکم ہے، یہ قربانی صرف تعمیل حکم ہے، اصل چیز تقویٰ ہے جو اللہ کے یہاں شرف قبولیت پاتا ہے ورنہ قربانی کا گوشت یا خون اللہ کے ہاں نہیں پہنچتا۔

ہر صاحب حیثیت کو قربانی کرنی چاہیے

قربانی واجب ہے:

قربانی کے بارے میں احادیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد فرمایا، جس میں طاقت ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہمارے مصلے کے پاس (یعنی عیدگاہ) میں نہ آئے۔(ابن ماجہ شریف)

قربانی بہترین عمل ہے:

ارشاد فرمایا قربانی کے دن اللہ کو خون بہانے سے زیادہ بندے کا کوئی عمل محبوب نہیں ،اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور کھروں سمیت آئے گا۔خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ کے ہاں ایک درجہ حاصل کر لیتا ہے،تو تمہیں اپنی قربانی سے مسرور ہونا چاہیے۔(سنن ابن ماجہ)

قربانی کا اجر:

صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا شئے ہے؟

ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے،تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اس قربانی سے ہمیں ثواب ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی،صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر چہ مینڈھا ہو،آپ ﷺ نے فرمایا تب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی (سنن ابن ماجہ)

ارشادفرمایا: وہ جانور ذبح نہ کرو جس کا کان آگے یا پیچھے سے کٹا یا پھٹا ہوا ہو،اس کا کوئی عضو کٹا ہوا ہو یا سب اعضاء کٹے ہوئے ہوں۔(سنن ابن ماجہ)

ارشادفرمایا: یہ چار قسم کے جانور قربانی میں کافی نہیں،ایک کانا جسکا کانا پن ظاہر ہو،دوسرا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو،تیسرا وہ جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور چوتھا وہ جانور جو اتنا کمزور ہو کہ جس کی ہڈیوں پر گوشت نظر نہ آئے۔(سنن ابن ماجہ)

بال اور ناخن نہ کاٹو:

ارشادفرمایا کہ جب تم میں کوئی ذوالحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا قربانی کا رادہ ہو تو وہ بال اور ناخن نہ کاٹے۔(سنن ابن ماجہ)

قربانی تین یوم ہے:

حضرت علیؓ اور حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ عید الاضحیٰ کے بعد دو یوم تک قربانی کرنا درست ہے(موطا امام مالک) حضرت امام مالکؒ کا انتقال ۱۷۹ھ میں ہوا۔حضرت کا مجموعہ احادیث ''موطا امام مالک''میں متعدد احادیث شریفہ ملتی ہیں جن سے ثابت ہے کہ قربانی منیٰ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی کی جاتی ہے،نیز فتح مکہ سے قبل صلح حدیبیہ کے سال قربانی کی گئی تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے نحر کیا حدیبیہ کے سال،اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے ذبح کی سات آدمیوں کی طرف سے۔(موطا امام مالک)

احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ منکرین احادیث کا یہ دعویٰ کہ قربانی صرف حج کرنے والے پر واجب ہے غلط ہے،اور یہ محض دھوکہ ہے۔اللہ تعالیٰ صراط مستقیم عطاء فرمائے اور اتباع سنت کی توفیق عطاء فرمائے،آمین۔

قربانی کے مسائل:

نیت اور قربانی کی دعا اگر یاد نہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اسی کو پڑھا جائے۔ بلکہ اپنی زبان میں نیت کی جاسکتی ہے۔

(۱)......اگر دل میں سوچ لیا کہ میں اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کے نام پر قربانی کرتا ہوں تو نیت کافی ہے، اگر کسی دوسرے کی طرف سے نیت کرنی ہو تو اس کا نام لیا جائے۔

(۲)......جانور کو قبلہ رُخ لٹا کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیرنی چاہیے، چھری اس طرح پھیری جائے کہ گردن علیحدہ نہ ہو جائے۔

(۳)......قربانی سے قبل جانور کو پانی دکھانا ضروری ہے تا کہ اگر وہ پیاسا ہو تو پانی پی لے۔

(۴)......قربانی کے جانور سے کوئی کام یا خدمت نہیں لینی چاہیے، ان کے آرام اور خوراک کا خیال رکھنا چاہیے، ان کی حیثیت مہمان جیسی ہے۔

(۵)......قربانی کی کھال یا اس کی قیمت خیرات کرنی ضروری ہے، اور یہ اسی شخص کو دی جائے جو زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

(۶)......مسجد کی تعمیر یا مرمت میں قربانی کی کھال کی قیمت نہیں دی جاسکتی، یہ جائز نہیں ہے۔

(۷)......قربانی کی کھال یا گوشت یا چربی وغیرہ قصاب کو اجرت میں نہیں دی جاسکتی۔

(۸)......قربانی اپنے مرحوم بزرگوں، والدین یا دوست احباب کی جانب سے بھی کی جاسکتی ہے، جو ایک نفلی ہدیہ کی صورت میں ہوگی، اس کا اجر و ثواب مرحومین کو بھی ضرور ملے گا اور قربانی کرنے والے کو بھی ہوگا۔

(۹)......توفیق ہو تو حضور اکرم ﷺ، امہات المؤمنینؓ، خلفائے راشدینؓ اور پنے مرحوم والدین کی جانب سے قربانی کر کے ثواب ہدیہ کرنا چاہیے۔

((۱۰)......قربانی کرنے والوں کو چاہیے کہ ذوالحجہ کے چاند سے قربانی تک بال اور ناخن نہ کٹوائے، قربانی کے بعد کترا وئے۔

دعا ہے اللہ ہمیں خلوص نیت کے ساتھ قربانی کی توفیق عطاء فرمائے اور ہماری قربانی کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

مدینہ منورہ کے فضائل

مدینہ منورہ مبارک شہر ہے جہاں روضۂ رسول اللہ ﷺ واقع ہے۔اس شہر کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا...... جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (دوزخ کی) آگ میں اس طرح پگھلا دیں گے جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے۔یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔(رواہ مسلم، ص ۳۳۱۹) اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جو مدینے والوں کو ڈراتا ہے وہ مجھے ڈراتا ہے۔(مجمع الزوائد جلد۳ صفحہ ۶۵۸)

بہت سے بزرگوں نے اپنی آخری عمر میں مدینہ منورہ کا قصد کیا اور وہاں پر رہائش اختیار کی۔مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کرنے والوں کے لئے احایث مبارکہ میں بشارتیں آئی ہیں۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا...... جو اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ میں اس کو موت آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ (اس کی کوشش کرے اور) مدینہ میں مرے، میں ان لوگوں کی ضرور سفارش کرونگا جو مدینہ میں مریں گے۔(ابن حبان، جلد۹، صفحہ ۵۷)

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ شفاعت سے مراد خاص قسم کی شفاعت ہے ،ورنہ رسول اللہ ﷺ کی عام شفاعت تو سارے ہی مسلمانوں کے لئے ہوگی۔کوشش کرنے اور طاقت رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہاں اخیر تک رہے۔اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے کہ...... جو میرا امتی مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں قیام کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی بنوں گا۔(مسلم صفحہ ۳۳۴۷) لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ سچے دل سے مدینہ میں موت آنے کی دعا کرے بلکہ اپنی دعا میں یوں کہا کرے...... اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل متی بلد رسولك (حصن حصین صفحہ ۲۴۲) ترجمہ۔اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما اور اپنے رسول ﷺ کے شہر (مدینہ) میں مجھے موت دے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو مدینہ کی موت نصیب فرمائے۔آمین۔

سوانح حیات سید الطائفہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری نور اللہ مرقدہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی صاحب

1

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کا تسلسل

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ علیہ ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھتے ہیں:

خدا تعالیٰ ہمیشہ مدبر عالم است بالہام امور حق در قلوب عباد صالحین تا تمشیت مراد او کنند و موعود او را سرانجام دہند'' (ازالۃ الخفاء جلد اول)

خداوند تعالیٰ ہمیشہ عالم کی تدبیر کرتا رہتا ہے۔ اپنے نیک بندوں کو امور حق کا الہام کر کے تاکہ وہ نیک بندے اس کے مقصود کو جاری کریں اور اس کے موعود کو سرانجام دیں۔

حق تعالیٰ کا مقصود اور موعود وہی ہے، جس کی دعوت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق خدا کو ابتدائے افرینش سے دیتے چلے آئے ہیں اور جس کا سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری اس امت پر ہے اور حق تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے برابر اس امت میں ایسے لوگ پیدا کرتے رہتے ہیں جو ہر زمانہ میں اپنی استعداد، الہام الٰہی، اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ امر حق کو مخلوق خدا تک پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ارشاد کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام جن چیزوں کی دعوت دیتے ہیں، وہ بنیادی طور پر تین چیزیں ہیں، جن کی تفصیل حضرت شاہ صاحبؒ نے ''تفہیمات الٰہیہ'' میں اس طرح بیان کی ہے۔

اول: ''مبداء و معاد وغیرہ سے متعلق عقائد کی تصحیح۔ اس شعبہ کو علماء عقائد و اصول نے سنبھال لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائیں۔

دوم: عبادات و معاملات اور معاشرت وغیرہ انسانی اعمال کی صحیح صورتوں میں تعلیم اور حرام و حلال کا

بیان۔اس شعبہ کی کفالت ،فقہائے امت نے اپنے ذمہ لی ہے اور اس میں انہوں نے امت کی پوری راہنمائی ورہبری فرمائی ہے۔

سوم: اخلاص واحسان۔

بقول شاہ صاحب۔ یہ تیسری چیز دین وشریعت کے مقاصد میں سب سے زیادہ دقیق وعمیق ہے اور پورے نظام دینی میں اس کی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی اور الفاظ کے مقابلہ میں معنی کی ہے اور اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے لے لی ہے۔وہ خود راہ یاب ہیں اور دوسروں کی راہنمائی کرتے ہیں۔خود سیراب ہیں اور دوسروں کو سیراب کرتے ہیں۔وہ بڑے بانصیب اور انتہائی سعادت مند ہیں۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ شعبہ ''اخلاص واحسان'' جو بعد کے ادوار میں تصوف کے نام سے مشہور ہوا، دین وشریعت کی روح اور اس کا جوہر ہے۔اور سچے صوفیائے کرام ،جن کے وجود سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا،اس دولت کے عامل وامین ہیں۔

جس طرح ہر زمانہ میں صحیح عقائد کی تعلیم اور شریعت کے مختلف اعمال،عبادات،معاملات وغیرہ کی تبلیغ کے لئے حق گو اور متقی علماء اور فقہاء کی ضرورت رہی ہے،اسی طرح ہر زمانہ میں اخلاص واحسان پیدا کرنے اور مخلوق خدا کے دلوں میں محبت الٰہی اور خوف خدا پیدا کرنے کے لئے بھی ایسے صاحبان ارشاد اور ربانی حکماء وصوفیاء کی ضرورت رہی ہے۔جو اپنے نفس گرام سے شریعت حقہ اسلامیہ کو ظاہری اور باطنی،صوری ومعنوی لحاظ سے دنیا میں زندہ وتابندہ رکھ کر بندوں کا تعلق خدا سے جوڑتے رہیں۔

گزشتہ چودہ سو سال کی اسلام کی تاریخ کو سامنے رکھ جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اس دین کی حفاظت کے لئے (جیسا کہ حق تعالیٰ نے کلام مجید میں وعدہ فرمایا ہے) تسلسل کے ساتھ ہر دور میں علماء وفقہا کے ساتھ ساتھ سچے صوفیاء کرام بھی پیدا فرماتے رہے ہیں،جن کی بدولت اسلام ظاہری و باطنی لحاظ سے اپنی اصلی شکل وصورت میں دنیا میں باقی رہا ہے۔

چنانچہ اس مادہ پرستی اور خدا فراموشی کے دور میں جب کہ ایک طرف نفس پرستی اور الحاد و بے دینی کا دور دورہ ہے۔دوسری طرف علماء ربانی اور سچے صوفیائے کرام کا وجود کبریت احمر بن گیا ہے۔علماء سو اور خام صوفیوں نے حقیقی تصوف اسلام کو اپنی بدعملی سے بدنام کر دیا ہے۔حق تعالیٰ نے اپنی

حکمت بالغہ سے ماضی قریب میں ضلع سرگودھا کی ایک گمنام اور پسماندہ بستی سے ایک ایسی ہستی کو پیدا فرمایا، جس نے اپنے عمل واخلاص، علم وفضل اور زہد وتقوٰی کی بدولت مشائخ متقدمین اور صوفیائے ربانیین کی یاد تازہ کر دی اور جن کے نفس گرم اور فیاض روح نے ڈھاکہ سے لے کر پشاور اور کراچی تک ہندو پاکستان کے گوشہ گوشہ میں ہدایت وعرفان الٰہی کا نور پھیلا دیا۔ اور جہاں جہاں کوئی جوہر قابل موجود پایا، اس کی تربیت کر کی اس کو بھی ہدایت کا چراغ بنا دیا۔ تاکہ آگے چراغ سے چراغ جلتا رہے۔ مولانا سید محمد علی مونگیری، بانی ندوۃ العلماء لکھنو لکھتے ہیں۔

''ایمانی جذبات اور ایمانی ذوق ایک نسل سے دوسری نسل تک برابر منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا رہا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دین کے اصل حصار اس کے سر چشمہ (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی طرح ایمانی خصوصیات اور اذواق و کیفیات کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے۔''

ان ایمانی خصوصیات اور اذواق و کیفیات کی حفاظت کا ذریعہ عالم اسباب میں یہی سچے صوفیاء کرام اور مشائخ عظام ہیں۔ انہی میں سے ایک ہستی صاحب سوانح یعنی قطب الارشاد، شیخ المشائخ حضرت مولانا الحافظ، الحاج شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز کی ہے جن کے مختصر حالات زندگی ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) ارشاد رحمانی تذکرہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ۔

ولادت وخاندان

سن ولادت وجائے پیدائش

حضرتؒ کی ولادت پنجاب کے ایک دور دست گاؤں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ جہاں عام طور پر تاریخ ولادت لکھنے کا نہ تو رواج تھا اور نہ ہی کسی کو خیال تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر اپنے وقت کا شیخ الشیوخ اور قطب الاقطاب ہوگا۔ خوش قسمتی سے حضرتؒ نے اپنے بچپن کے ایسے واقعات بیان فرمائے، جن سے ولادت کا تعین ہو سکتا ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں بچہ تھا اور اپنے بزرگوں سے یہ سنتا تھا کہ اللہ خیر کرے چودہویں صدی چڑھ رہی ہے۔ میں صدی چڑھنے کا مطلب یہ سمجھتا تھا کہ جیسے کوئی چیز سورج کی طرح چڑھنے والی ہے۔ اس لیے میں مشرق کی طرف غور سے دیکھا

کرتا تھا کہ دیکھوں صدی کیسے چڑھتی ہے۔فرماتے تھے میری عمر اس وقت آٹھ نو برس ہوگی۔

اس اندازہ سے آپ کی ولادت کا سال ۹۱۔۱۲۹۰ھ مطابق ۷۴۔۱۸۷۳ء ٹھہرتا ہے۔حضرت کے خاندان کی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز سے عقیدت کی بناء پر حضرت کا نام غلام جیلانی رکھا گیا۔اور طالب علمی کے زمانہ تک آپ کا یہی نام مشہور رہا تا آنکہ آپ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت عالی کے استفسار پر آپ نے اپنا نام غلام جیلانی بتلایا تو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ تو عبدالقادر ہیں۔اس وقت سے آپ کا نام عبدالقادر مشہور ہوا۔

حضرت کی طالب علمی کے زمانہ میں جو کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہیں،ان میں سے بعض کتابوں پر آپ نے اپنے دستخط ''عبدالقادر'' کے نام سے کیے ہیں۔اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً حضرت نے خود ہی یا کسی استاد کے فرمانے سے اپنا نام عبدالقادر تجویز کرلیا تھا۔لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نام کے ساتھ آپ حضرت عالی رائے پوری کے ارشاد کے بعد ہی مشہور ہوئے۔

حسب ونسب

حضرت رحمہ اللہ علیہ کے اندر چونکہ حد درجہ انکسار تھا۔اس لئے حضرتؒ نے کبھی حسب و نسب کو اہمیت نہیں دی۔بلکہ اپنے قول وفعل سے سیرت وکردار کے بنانے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کی تعلیم دیتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام میں اصل چیز ایمان وعمل صالح ہے۔اس کے بغیر اونچے سے اونچے نسب کی کوئی اہمیت نہیں۔''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ''قرآن کا فیصلہ ہے۔البتہ بزرگوں کی اولاد میں عام طور پر عمدہ استعداد ہوتی ہے۔جو کہ ایمان وعمل صالح کے ساتھ کارآمد ہوسکتی ہے۔

حضرتؒ کا نسبی تعلق پنجاب کی مشہور قوم اعوان قطب شاہی سے ہے۔حضرتؒ کے عم زاد بھائی پنجاب کی ایک مشہور ومعروف خانقاہ واقع مکھڈ شریف ضلع اٹک کے سجادہ نشین ہیں جن کے مورث اعلیٰ کو حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے چشتیہ نظامیہ سلسلے میں خلافت حاصل تھی۔راقم السطور نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور ان کے خلفاء پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا ہے۔جس پر کراچی یونیورسٹی نے احقر کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی ہے۔اس مقالہ میں مکھڈ شریف کے اس چشتی خاندان کے

بھی تحقیقی حالات لکھے ہیں۔ چنانچہ خود اس خاندان کی روایات اور ان کے اجداد کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا شجرہ نسب وہی ہے جو اعوان قطب شاہی قوم کا شجرہ نسب ہے اور جسے حضرت مولانا محمد الدین صاحب سجادہ نشین مکھڈ نے اپنی تصنیف ''تذکرۃ الصدیقین'' میں اس طرح لکھا ہے۔

'' مولانا عبدالرحیم (یہ حضرت اقدس رائے پوری اور مولانا محمد الدین سجادہ نشین مکھڈ شریف کے جداعلیٰ ہیں)۔ بن اللہ نور عرف نور محمد بن حبیب اللہ یا عجیب اللہ عرف جیپ بن عالم بن گوہر دین بن دین محمد بن باقر بن شاہ رخ بن مراد بخش، عرف شہاب الدین بن مولوی عبداللہ بن طاہر علی عرف تریڑ بن سدارنگ عرف سارنگ بن حسن دوست عرف سندوح بن احمد علی بدارالدین عرف بدو بن عبداللہ گوہر علی عرف گولڑا ابن قطب شاہ عون بن یعلی بن حمہ بن طیار بن قاسم بن علی بن جعفر بن حمزہ اول بن ابوالعباس حسن بن ابوالحسن عبیداللہ بن حضرت ابوالفضل عباس علم دار بن حضرت سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(۱) مولانا عبدالرحیم تک حضرت اقدس کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ بن حضرت حافظ احمدؒ بن حضرت مولانا محمد اکرمؒ بن حضرت مولانا عبدالرحیمؒ

اور مولانا محمد الدینؒ صاحب مکھڈی کا شجرہ مولانا عبدالرحیمؒ تک اس طرح ہے۔

حضرت مولانا محمد الدینؒ بن حضرت مولانا غلام محی الدینؒ بن حضرت میاں محمد صاحبؒ بن مولانا محمد محسنؒ بن حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ۔

محکمہ مال کے بعض کاغذات میں حضرتؒ کی قوم جیپ لکھی ہوئی ہے، اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے جیپ کو جٹ یا راجپوت اقوام کی شاخ سمجھ لیا۔ حالانکہ جیپ اعوانوں ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا شجرہ نسب سے ظاہر ہے۔ مولانا عبدالرحیمؒ کے نو پشت اوپر جیپ اللہ یا عجیب اللہ عرف جیپ آیا ہے۔ بس انہی جیپ کی اولاد کو بعض لوگ جیپ کہنے لگے۔ جو کہ دراصل اعوان قطب شاہی قوم کی ذیلی شاخ ہے۔

راقم السطور نے مولانا محمد حسین صاحبؒ مکھڈی کی بھی زیارت کی ہے۔ جسم کی ڈیل ڈول

اور چہرہ مہرہ سے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا کہ حضرت اقدس کے سگے بھائی ہیں۔ مزاجی خصوصیات بھی بڑی حد تک ملتی جلتی تھیں۔ زہد و انکسار اور سادگی بھی مولانا موصوف میں اسی طرح دیکھی۔ جیسے حضرت ~رح~ میں اور خود حضرت کی زبان مبارک سے احقر نے سنا ہے کہ مکھڈ شریف والے ہمارے عم زاد بھائی ہیں۔ اور حضرت اکثر اوقات مکھڈ شریف والوں کا ذکر اس طرح کیا کرتے تھے جیسے اپنے بنی اعمام کا کیا جاتا ہے نیز عون قطب شاہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک شجرہ نسب میزان قطبی اور میزان ہاشمی سے لیا گیا ہے۔ (زادالاعوان ص ۱۳۸)

(۱) ''تذکرۃ الصدیقین'' مصنفہ مولانا محمد الدین مکھڈی ص ۱۰۱۔

خاندانی حالات

حضرتؒ کے جد اعلیٰ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ بن نور محمدؒ (متوفی ۱۲۰۷ھ) جو کہ بڑے فاضل بزرگ تھے، اصل میں موضع تھوہا محرم خان تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمبلپور (اٹک) کے رہنے والے تھے۔ اس علاقہ میں زیادہ تر اعوان قوم کے لوگ آباد ہیں، اس لیے اس علاقہ کو ''اعوان کار'' کا علاقہ کہتے ہیں۔ بعض لوگ ''اعوان کار'' کو ''اعوان قاری'' بولتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ اعوانوں میں حفاظ قرآن بکثرت ہیں، اس لیے انہیں ''اعوان قاری'' کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

!مولانا حافظ عبدالرحیمؒ کے تین فرزند تھے۔

(۱) مولانا محمد محسنؒ (۲) مولانا محمد حسن (۳) مولانا محمد اکرمؒ

ہر ایک کا حال حسب ذیل ہے:

(۱) مولانا محمد محسنؒ بن مولانا عبدالرحیم

آپ موضع تھوہا محرم خاں سے نقل مکانی کر کے پہلے قصبہ ترنگ میلا تحصیل تلہ گنگ میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ پھر وہاں سے مکھڈ شریف آ گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ مولانا محمد محسن اور ان کے صاحبزادے میاں محمد صاحب، دونوں باپ بیٹا حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی چشتی نظامی قدس اللہ سرہ العزیز (متوفی ۱۲۶۷ھ) سے بیعت تھے۔ اس وقت مکھڈ شریف میں حضرت مولانا زین الدین صاحبؒ (متوفی ۱۲۹۵ھ) سجادہ نشین تھے جو کہ حسرت مولانا محمد علی مکھڈی (۱) قدس سرہ کے دوسرے جانشین بھی تھے اور خود ان کو حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے بھی خلافت دی تھی۔

مولانا زین الدینؒ بھی اعوان قطب شاہی قوم میں سے تھے اور آپ کا اصل وطن موضع انگہ ضلع شاہ پور تھا۔میاں محمد صاحبؒ بن مولانا محمد محسن، مولانا زین الدینؒ کے شاگرد تھے۔انہوں نے اپنی صاحب زادی میاں محمد صاحب کے حبالہ عقد میں دی۔

(۱) مولانا محمد علی مکھڈیؒ اصل میں بٹالہ (مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ان کی قوم قریش ہے اور حضرت شاہ غلام علی بٹالوی ثم دہلویؒ نقشبندی، مجددی کے خالہ زاد بھائی ہیں۔آپ بٹالہ سے مختلف مقامات پر تحصیل علم کرتے ہوئے مکھڈ شریف پہنچے اور مولانا محکم الدین مکھڈی سے تکمیل علم کی۔اور استاد کی وفات کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں کے ہو رہے۔یہیں سے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں تونسہ شریف حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔اور خلافت سے مشرف ہوئے۔۱۲۵۳ھ میں حضرت خواجہ تونسویؒ کی زندگی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد عابد مہارویؒ کو مکھڈ میں آپ کا جانشین مقرر فرمایا۔ان کا بھی حضرت خواجہ تونسوی کی زندگی میں ۱۲۶۲ھ میں انتقال ہو گیا۔پھر ان کا جانشین حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے مولانا زین الدین قدس سرہ کو مقرر فرمایا۔پھر ان کے جانشین ان کے نواسہ مولانا غلام محی الدین بن میاں محمد صاحب ہوئے جن کو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے خلافت دی۔تفصیل کے لیے دیکھیے راقم السطور کی کتاب ''حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ اور ان کے خلفاء'' مطبوعہ لاہور

محمد صاحب کے ان کے بطن سے دو صاحبزادے ہوئے۔(۱) مولانا غلام محی الدینؒ (۲) مولانا شمس الدینؒ، مولانا غلام محی الدین، حضرت خواجہ اللہ بخشؒ تونسویؒ کے خلیفہ تھے جن کو حضرت مولانا زین الدین کی وفات (۱۲۹۵ھ) کے بعد ان کا جانشین مقرر کیا گیا۔مولانا غلام محی الدین (م ۱۳۴۸ھ) کے تین صاحبزادے ہیں۔(۱) مولانا احمد الدینؒ سجادہ نشین (۲) مولانا محمد الدینؒ (۳) مولانا غلام زین الدین۔

(۲) مولانا محمد حسنؒ بن مولانا عبدالرحیمؒ آپ موضع تھوہا محرم خان سے بھیرہ تشریف لائے اور وہاں سے موضع للیانی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں آ گئے۔وہیں شادی کی اور مستقل طور پر وہیں آباد ہو گئے۔ان کی اولاد موضع للیانی میں موجود ہے۔

(۳) مولانا محمد اکرم بن مولانا عبدالرحیمؒ، آپ مولانا محمد محسن اور مولانا محمد حسن کے علاتی بھائی تھے۔ بڑے عالم فاضل اور عابد وزاہد بزرگ تھے۔ ان کے پاس ایک بڑا قلمی کتب خانہ تھا۔ آپ موضع تھوہا محرم خان ہی میں رہے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔

(۱) مولانا محمد احسنؒ (۲) مولانا کلیم اللہؒ (۳) مولانا مولانا محمد یٰسینؒ (۴) حضرت حافظ احمد صاحبؒ والد ماجد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادرؒ صاحب۔

ان چاروں بھائیوں کا حال حسب ذیل ہے:

(۱) مولانا محمد احسن صاحب

آپ بڑے عالم، جید حافظ اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ آپ کا معمول یومیہ ختم قرآن مجید کا تھا۔ اس کے ساتھ سو رکعت روزانہ نفل پڑھ لیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کے زمانہ میں پریس عام نہیں ہوئے تھے، اس لیے بڑی بڑی ضخیم کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کیا کرتے تھے۔ کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ نادر کتابوں کے حصول کے لئے اپنے گھر کا سارا اثاثہ بھی قربان کرنا پڑتا تو اس سے دریغ نہ فرماتے۔ طبیعت نہایت سادہ تھی۔ کھدر کا تہمد باندھتے تھے اور کھدر ہی کی ایک چادر اپنے اوپر ڈال لیا کرتے تھے۔ آپ کی دو صاحبزادے تھے۔ (۱) مولانا حاجی احمد صاحبؒ اور

(۲) مولانا فضل احمد صاحب

مولانا حاجی احمد صاحب کے صاحبزادہ مولانا محمد صادق صاحب تھے جن کے صاحبزادہ مولانا حافظ عبدالوحید صاحب اور بشیر احمد صاحب (خواہرزادگان حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہیں۔ مولانا فضل احمد صاحب کے صاحبزادہ مولانا عبدالباقی صاحبؒ مرحوم ہیں۔

(۲) مولانا کلیم اللہ صاحب:

آپ بھی بڑے عالم فاضل بزرگ تھے۔ مجاہد اسلام حضرت اخوند صاحب، مولانا عبدالغفور سواتیؒ سے بیعت تھے اور آپ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ حضرت اخوند صاحب کے فرمان کے مطابق سر کے بال ترشوا کر ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ اس لیے عوام میں ٹوپی والا کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے مریدین علاقہ ونہار میں بکثرت تھے۔ آپ اکثر کھیوڑہ نمک ضلع جہلم میں رہائش پذیر رہتے تھے۔ وہیں آپ کی

خدمت میں رہ کر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن حفظ کیا تھا۔آپ اکثر رات کو بخاری شریف کا وعظ فرمایا کرتے تھے جس کا سلسلہ نماز عشاء سے صبح صادق تک جاری رہتا تھا۔آپ کی وفات ۱۸۹۰ء مطابق ۱۳۰۸ھ میں ہوئی۔آپ کے صاحب زادہ مولوی سعد اللہ صاحب تھے۔ان کے صاحبزادہ میاں امام الدین صاحب تھے،جن کے صاحب زادگان مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب، حافظ فضل الٰہی صاحب اور عبدالسلام صاحب ہیں۔

(۳) مولانا محمد یسین صاحبؒ:

آپ بھی بڑے عالم اور مدرس تھے۔طلبہ کو علوم دینیہ پڑھایا کرتے تھے۔اکثر حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ہمیشہ ساٹھ ستر طلباء آپ کے پاس رہا کرتے تھے۔حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر کی شادی ان ہی کی صاحب زادی سے ہوئی جو تھوڑے عرصہ بعد انتقال کر گئیں۔ان کی دوسری صاحب زادی حضرتؒ کے دوسرے بھائی حافظ عبدالعزیز صاحب کے حبالہ عقد میں تھیں۔

حضرت حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ

آپ سب بھائیوں سے چھوٹے تھے۔آپ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ کے قریب موضع تھوہا محرم خان میں ہوئی۔وہیں قرآن مجید حفظ کیا۔آپ کی ایک خالہ صاحبہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں بیاہی ہوئی تھیں۔ان کے شوہر کا نام بھی احمد تھا۔ان کی اولاد نہ تھی،اس لیے خالہ اور خالو،حضرت حافظ احمد صاحب کو ڈھڈیاں لے آئے اور اپنا متبنّٰی بنالیا۔نیز اپنی ساری زمین آپ کے نام منتقل کر دی۔آپ نے اپنے تینوں بھائیوں کو بھی وہیں بلا لیا اور زمین سب بھائیوں میں مشترک رکھی۔خود ہل چلاتے،زمین پر محنت کرتے اور غلہ سب بھائیوں میں تقسیم فرمادیتے آپ بڑے معاملہ فہم تھے۔قوت فیصلہ بہت تھی۔علاقہ کے لوگوں کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔لوگ اپنے معاملات میں اکثر آپ کو حکم بناتے۔آپ جسمانی طور پر بھی بڑے مضبوط تھے۔آپ قرآن مجید کے جید حافظ تھے۔ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔اپنی زمین پر جانے سے پہلے پانچ چھ پارے پڑھ لیا کرتے تھے۔آپ کے شاگرد بھی وہیں پہنچ جاتے۔آپ ہل چلاتے رہتے اور آپ کے شاگرد بھی وہیں پہنچ جاتے۔آپ ہل چلاتے رہتے اور آپ کے شاگرد کھیت کے چاروں کناروں پر بیٹھ کر قرآن شریف پڑھتے رہتے۔اس طرح آپ نے سینکڑوں لوگوں کو قرآن مجید حفظ کرایا۔نماز فجر آپ خود پڑھاتے

تھے۔صبح صادق کے ساتھ ہی نماز شروع کر دیتے اور اتنی طویل قرات فرماتے کہ سپیدہ سحر نمودار ہو جاتا تھا۔قرآن مجید اتنا پختہ یاد تھا کہ بعض پرانے حافظوں کی اغلاط درست کر دیں۔آپ کے شاگردوں میں حافظ روشن دین صاحب مشہور اور جید عالم تھے۔

حضرت حافظ احمد صاحب کی پہلی شادی موضع ڈھکوال میں جو کہ ڈھڈیاں سے تین میل کے فاصلہ پر جانب جنوب واقع ہے۔جناب غلام محی الدین صاحب بن نیک عالم کی صاحب زادی سے ہوئی،جن کا تھوڑے عرصہ بعد انتقال ہو گیا۔ان اہلیہ کے بطن سے صرف ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو مولانا فضل احمد صاحب سے بیاہی گئیں۔ان کے صاحب زادہ مولانا عبدالباقی صاحب تھے۔پھر ساٹھ سال کی عمر تک حافظ احمد صاحبؒ نے دوسری شادی نہیں کی۔آخر ایک مجذوب کے کہنے سے کہ میں تمہاری پشت میں ایک ایسا نور دیکھ رہا ہوں،جس سے ایک عالم منور ہو گا۔آپ نے دوسری شادی موضع للیانی تحصیل بھلوال میں ایک معزز زمیندار جناب محمد عیسیٰ صاحب کی صاحبزادی سے کی۔یہ اہلیہ بڑی عابدہ،زاہدہ،اور ذاکرہ شاغلہ تھیں۔بارہ ہزار اسم ذات کا ورد روزانہ فرمایا کرتی تھیں۔ان کے بطن سے تین صاحب زادے ہوئے۔بڑے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحبؒ،دوسرے حافظ عبدالعزیز صاحب (م ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء) اور تیسرے مولانا حافظ محمد خلیل صاحب (م ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادرؒ کی اہلیہ شادی کے تھوڑا عرصہ بعد انتقال فرما گئی تھیں اور حضرتؒ نے عقد ثانی نہیں کیا،اس لیے حضرت کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔مولانا حافظ خلیل صاحبؒ کے تین صاحب زادے ہیں۔

(۱) مولانا عبدالجلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔(۲) حافظ محمد صدیق صاحبؒ۔(۳) مولانا محمد رفیق صاحبؒ،ان تینوں صاحب زادوں کے علاوہ آپ کی اس دوسری اہلیہ سے ایک صاحب زادی بھی تھیں جن کے صاحب زادہ مولانا حافظ عبدالوحید صاحبؒ اور بشیر احمد صاحبؒ تھے۔

حضرت حافظ صاحب کا وصال تقریباً سو سال کی عمر میں ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں ہوا۔وفات کے وقت آپ کے شاگرد حافظ روشن دین صاحبؒ نے سورہ یٰسین پڑھنا شروع کیا۔جب آیت ''**بلیٰ و ھو الخلاق العظیم** '' پر پہنچے تو عمداً توقف کیا۔حضرت حافظ صاحبؒ نے فوراً لقمہ دیا،جس طرح کنوئیں کے اندر سے آواز آتی ہے۔اور پڑھا:''**فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ** ''اور اسی پر آپ کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کی اہلیہ حضرت اقدس کی والدہ ماجدہ کا انتقال ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں ہوا۔

اللہ بہتر جانتا ہے

اوریا مقبول جان

آگرہ سے اجمیر جائیں تو راستے میں جے پور کا شہر آتا ہے۔ جے پور وہ علاقہ ہے جس کی کانوں سے سرخ پتھر کی بادشاہی مسجد تعمیر ہوئی۔ بادشاہی مسجد میں کہیں سرخ پتھر تبدیل کرنا ہوں تو جے پور ہی سے منگایا جاتا ہے۔ لیکن جے پور کی خوبصورتی یہ ہے کہ پورے کا پورا قدیم شہر اسی پتھر سے بنا ہے۔ اسی لئے اسے گلابی شہر یا Pink City کہا جاتا ہے۔

یہ شہر راجستان کا مرکزی شہر ہے، اور اسے راجہ جے سنگھ نے 1727ء میں آباد کیا تھا۔ راجہ جے سنگھ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار کا ایک اہم رکن تھا، اور اورنگ زیب نے اس کو سوائی کا لقب دیا تھا، جس کا مطلب ہے کہ وہ تمام درباریوں سے ایک چوتھائی زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک درباری ہونے کے باوجود اس نے فلسفہ، طب، سائنس، تعمیرات اور تمام مذاہب کا علم حاصل کیا۔

لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی فلکیات اور علم نجوم میں بہت زیادہ تھی۔ اس نے تمام ماہرین علوم فلکیات کی کتب اپنے پاس رکھی تھیں اور کائنات میں گھومتے بھاگتے چاند ستاروں کی چالوں کا دن رات مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے دہلی میں ایک Obervatory بھی بنا رکھی تھی۔ لیکن جے پور کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد اس نے وہاں بھی ویسی ہے Obervatory بنائی، جسے ''جنتر منتر'' کہا جاتا ہے۔

یہ جنتر منتر اس کے محل کے بالکل سامنے ہے۔ میں جب اس جنت منتر کے اس حصے میں کھڑا تھا جسے نروالیہ منترا کہا جاتا ہے تو اس سادہ مگر انتہائی درست حساب والی عمارت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یہ دو ڈائل ہیں جن پر سورج کے سایوں سے سیکنڈوں کے حساب تک سورج اور دیگر اجرام فلکی کے مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ منترا راج کی دو میٹر قطر والی پلیٹ جس سے مختلف ستاروں اور کہکشاؤں کا پتہ چلایا جاتا ہے، برہٹ سمراٹ منترا جس سے موسموں کی تبدیلی اور چاند سے ہواؤں کی تندی تیزی اور

سمندروں کے جوا بھاٹا کا پتہ چلایا جاتا ہے۔کائنات کی وسعت کا اندازہ ان سادہ سی مشینوں سے جن میں کوئی دوربین نما چیز نہ ہو، ایک حیرت انگیز بات تھی۔

آج بھی اس جنتر منتر سے کی گئی پیمائشیں سائنسی پیمانوں پر پورا اُترتی ہیں۔چونکہ ہندو مذہب میں ہزاروں سال سے پنڈت اور رشی ستاروں کی چالوں سے شُبھ گھڑی اور نحس گھڑی کے علاوہ راج یوگ، کلیوگ، فصلوں، موسموں اور تباہیوں کی پیش گوئیاں کرتے ہیں، اس لئے ہجوم دیکھ کر جے سنگھ نے بنارس، اجین اور متھرا میں بھی ایسے ہی جنتر منتر بنائے، لیکن ان می صرف جے پور والا سلامت ہے۔

ہندو یونیورسٹی بنارس میں جب میں ویدک تعلیم کے پروفیسر سے ملا تو جہاں انہوں نے اس جنتر منتر سے کی گئی ستاروں کی چال کی پیمائش کو آج کے امریکی بحریہ کی شائع شدہ سالانہ فلکیاتی رپورٹ سے مطابق دکھایا، وہاں ان پُر اسرا علوم کی اور ہزاروں جہتیں بھی میرے سامنے کھول کر بیان کیں۔جن میں ایک اگس ھتیا ناڑی تھی، اس علم کی درخت کی چھالوں، جانوروں اور کہیں کہیں انسانوں کی کھالوں پر محفوظ کیا گیا ہے۔

ان مخطوطات میں دنیا میں آنے والے ہر شخص کا حال لکھا ہوا ہے۔یہ نا قابل یقین سی بات تھی، لیکن جب میں نے میر بشیر کی کتاب ''داستانِ تقدیر'' میں ان اگس ھتیا ناڑی کے ایک پنڈت سے اپنے بارے میں پیش گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان میں اسی فیصد کے قریب درست تھیں لیکن ان کی عقلی توجیہ نہیں کی جاسکتی تو مجھے حیرانی نہ ہوئی۔

اس لئے کہ اللہ خوابوں، کشف، الہام یا بعض دفع کسی اہم واقعہ سے پہلے کچھ صوگوں میں بے چینی سے لوگوں میں باخبر کرتے رہتے ہیں۔اور اس میں کسی مذہب یا علاقے کی کوئی تخصیص نہیں۔شاید ایسے ہی صدیوں پہلے کائنات پر غور خوض کرنے والے ان انسانوں کو کوئی اشارے ملے ہوں، لیکن انہیں نہ تو حتمی کہا جاسکتا حی اور نہ ان پر یقین کرنا چاہیے۔

جس مالکِ کائنات نے یہ اشاری دیئے ہوں وہ تو قادر ہے، جب چاہے تقدیر کا لکھا بدل دے۔پھر صدیوں سے انسان جن سربستہ رازوں کی تلاش میں ہے اس کے حصول لئے کبھی سائنس کا سہارا لیتا ہے اوت کبھی صدیوں کے مشاہدے کا یا پھر قیافہ کہ ایسی آنکھ والا، ایسی ناک والا کیسا ہوگا۔اسی

طرح صدیوں کے مشاہدے سے مختلف اوقات میں پیدا ہونے والے بچوں کے احوال سے لوگوں نے یہ رائے مستحکم کرلی کہ ایسا بچہ اس مہینے کی اس تاریخ کو ہی پیدا ہوتا ہے، جس سے زائچوں نے جنم لیا اور دنیا بھر میں عام ہوئے۔

لیکن کیا سچ ہے اور کتنا جھوٹ، اس کا علم تو صرف اُس رحمٰن اور رحیم کو ہے۔ اسی لئے اللہ کے نیک بندے بھی جب کسی خواب کے ذریعے اپنے کشف سے یا کسی الہامی کیفیت سے کسی بات سے آگاہ ہوتے ہیں تو اُسے یا پھر یہ کہ مجھے ایسا دکھایا گیا، میں نے ایسا محسوس کیا، جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

یہ سب میں نے اس لئے تحریر کیا کہ پوری دنیا میں 2012ء کے بارے میں ایک جنون کی حد تک سائنسی، فلکیاتی اور نجوم کی بنیاد پر پیشگوئیوں کا طوفان مچا ہوا ہے۔ ہر طرح کی موجود پیشگوئیوں کو سائنسی بنیاد پر ستاروں کی کشمکش اور فزکس کے اصولوں پر پرکھا جارہا ہے۔ اور دنیا بھر میں خوشخبریوں اور تباہیوں کا برابر ذکر چلتا ہے۔

لیکن ان تمام تر سائنسی، تحقیقی، علمی اور نجومی رپورٹوں میں پاکستان کا ذکر خاص طور پر نظر آتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ سیاسی تجزیہ نگار پاکستان کو ہی تباہی اور خاتمے کی طرف لے جارہے ہیں، جبکہ ان پُر اسرار علوم کے رسیا اسے ایک حیران کن طاقت میں تبدیل ہونے کے طور پر دیکھتے ہیں۔

بھارت جس کے پنڈتوں اور نجومیوں نے اس مملکت خداداد پاکستان کے پچاس سال کے اندر خاتمے کی پیش گوئی کی تھی وہ سب کے سب اب اس مملکت کا ایک ایسا نقشہ پیش کررہے ہیں جو 2013ء اور 2014ء میں چین کے ساتھ مل کر بھارت پر حملہ کردیگا۔ بھارت کی اقتصادی ترقی 2011ء میں رُک جائے گی اور وہ اس حملے کا مقابلہ مشکل سے کرسکے گا۔ البتہ وہ کہتے ہیں کہ ہمالیہ کے پہاڑوں سے ایک مہارشی اُترے گا اور اُن کی فوج کی رہنمائی کرے گا۔

ان کے نزدیک یہ مہارشی گائن گینگ کی ایک غار میں چھپا بیٹھا ہے۔ پاکستان کے بارے میں ان کے خیالات کیوں بدلے، یہ قابل غور ہے۔ ویدی کے نجوم کے مطابق ان کے پنڈت جانتے ہیں کہ اگر پاکستان وینس کی مہاشا میں داخل ہوگا تو پھر ناقابل تسخیر ہوجائے گا۔ اس وشا میں داخل ہونے کا خوف انہیں پہلے سے تھا، کیونکہ ان کے نزدیک پاکستان کے لگن کا مالک مریخ تیسرے، وہ اس

کے ٹوٹنے کی پیش گوئیاں اس لئے کرتے تھے کہ حکمرانی کا زائچے میں چوتھا خانہ ہوتا ہے اور پاکستان کے چوتھے خانے میں زحل، عطارد اور زہرہ ہیں۔

یعنی اتنے سارے اقتدار کے بھوکے اسے تباہ کردیں گے۔لیکن 27 دسمبر 2007ء کو پاکستان اپنی نحوست سے نکل کر زہرہ کی مہاشا میں داخل ہوا ہے اور یہ مہاشا بیس سال پر محیط ہے ۔ویدک نجوم کے مطابق زہرہ اپنی سمتی طاقت شمال سے حاصل کرتا ہے تو شمالی علاقے کے لوگ ان بیس سالوں میں اہم کردار ادا کریں گے۔زہرہ کی اس وشا میں شروع میں حالات بگڑیں گے اور پھر مذہبی طاقتوں کا غلبہ ہوگا۔

زہرہ، راہول کے ساتھ مل کر مذہبی طاقتوں کے لئے راہ ہموار کرے گی اور مریخ جو افواج کا ستارہ ہے ان دونوں کی مدد کے لئے آئے گا۔یہ وہ زمانہ ہوگا جب 2011ء میں بھارت میں بدترین فسادات اور معاشی ناہمواری کا سامنا کر رہا ہوگا۔جس کے بعد پنڈت 2013ء میں جنگ کی پیش گوئیاں کر رہے ہیں۔یہ پیش گوئیاں یہاں لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ یہ برحق ہیں، بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ کسی ملک، علاقے یا قوم کو سرفراز کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کمزور قوم کا خوف لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے۔جس علم پر ہندو پنڈت ساری زندگی گذارتے ہیں اسی علم کی روشنی میں پاکستان جسے وہ کل تک ختم ہوتا دیکھ رہے تھے، اب انہیں ایک مہیب اور خوفناک دیو لگ رہا ہے۔

یہی نہیں دنیا کی کسی بھی نجوم کی ویب سائٹ پر چلے جائیں پاکستان کا خوف اور ہوّا سب پر چھایا ہوا ہے۔نعمت شاہ ولی کی پیش گوئیاں یاد آ رہی ہیں۔جن پر انگریز وائسرائے نے سچ ثابت ہونے کی وجہ سے پابندی لگائی تھی۔انہوں نے کہا تھا جب شمالی سرحد کے افغانوں کے قدموں کی دھمک سے زمین مرقد کی طرح کانپے گی تو دلّی، جمّوں اودھ، دور دور تک کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔

حضرت ثوبانؓ سے مروی جہاد ہند کے بارے میں سید الانبیاء ﷺ کی حدیث کا وہ حصہ کہ جہاد ہند کا لشکر، ہند کے حکمرانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائے گا۔کیا ہوگا؟ کیا ہونے والا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔لیکن جو ہوگا اس سے خوف زدہ ہندو پنڈت بھی ہیں، مغربی ماہرین نجوم بھی اور میرے ملک کا روشن خیال طبقہ بھی۔

شب گریزاں ہوگی آخر......

مولانا عبدالرشید بستوی

تاریخ بیت المقدس کے فاضل مصنف نے ایک جگہ سلطان نورالدین زنگیؒ کے حالات میں عجیب بات لکھی ہے۔لکھا ہے کہ میں نے بیت المقدس کے متعدد عیسائیوں سے سنا، ان کا کہنا تھا کہ نورالدین کو ہمارے اوپر جو فتح ملی، وہ سامان حرب وضرب کی کثرت کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ نورالدین کی آہ سحر گاہی کا سبب تھی۔اسی شیر دل، مجاہد صفت حکم راں کا یہ واقعہ بھی، کس قدر عبرت آموز ہے۔ایک روز صبح بیگم نورالدین بہت اداس اور مایوس بیٹھی ہوئی تھیں۔نورالدین نے سمجھا شائد کوئی تکلیف یا بیماری ہو، جس کے سبب بیگم اداس اور پریشان ہیں۔مگر اہلیہ نے کہا! نہ مجھے کوئی تکلیف ہے، نہ ہی مرض۔بات یہ ہے کہ آج رات جب میری نیند کھلی تو موذن فجر کی اذان دے رہا تھا، اس طرح برسوں کے بعد آج میری تہجد کی نماز چھوٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری، استغفار اور مسلمانوں کی قوت اور سربلندی کی دعائے سحر گاہی سے بھی محروم ہوگئی۔نیک دل حکمراں نے اسی وقت فرمان جاری کیا کہ نمازِ تہجد کے وقت طبلہ بجانے کے لئے اہل کار مقرر کیے جائیں، تاکہ آج کے بعد کسی شب بیدار کی نماز تہجد فوت نہ ہو۔یہ ایک نورالدین زنگیؒ اور ان کی پارسا اہلیہ کا کوئی انفرادی معاملہ نہیں ہے، بل کہ دراصل یہ سب کچھ اسلامی تاریخ کا تسلسل اور زریں اسلامی ہدایات کا استمرار تھا، حضور اکرم ﷺ رات کو اس کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ آپ ﷺ! کے پیر سوج گئے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ کیفیت دیکھی نہ گئی۔عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ آپ خود کو اس قدر مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں، جب کہ حق تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہ معاف کردیے ہیں؟ فرمایا: عائشہ! کیا میں اس پر خدا کا شکر ادا نہ کروں اور اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

اس میں راز یہ ہے کہ رات کا پچھلا دو پہر مقبولیت، رحمتِ خداوندی کی برسات کا وہ موسم بہار ہے جس میں خزاں کا گزر ہی نہیں۔اس وقت مانگی جانے والی دعا خالی واپس نہیں ہوتی۔حدیثِ صحیح میں ہے کہ جب رات کا آخری حصہ آتا ہے تو حق تعالیٰ عرش سے دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور صبح ہونے تک برابر یہ آواز لگائی جاتی رہتی ہے۔"ہے کوئی مانگنے والا؟ جسے عطا کروں، ہے کوئی گناہوں کی معافی اور مغفرت کا طلب گار؟ جس کی مغفرت کردوں، ہے کوئی رزق کا خواہاں؟ جسے مالا مال کردوں"۔

ایک قدرے طویل حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کو تین قسم کے لوگ بے حد عزیز اور محبوب ہیں۔ ان میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو اس وقت اپنے بستروں کو چھوڑ کر، جب سارے لوگ نیند کے مزے لیتے ہیں، حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کی خوشامد کرتے ہیں اور آہ وزاری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی جو خصوصیات، جا بہ جا قرآن، کریم میں بیان کی ہیں، ان میں شب بے داری، تہجد گزاری، آہ وزاری اور دعائے صبح گاہی کو نمایاں طور پر بڑی تاکید و اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک ارشادات باری کے ترجمے اور قدرے تشریح ملاحظہ ہوں:

(۱)...... ''میرے یہ بندے ایسے ہیں جن کے پہلو خواب گاہوں سے الگ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں، اس کے عذاب اور غضب کے خوف سے اور اس کی رحمت کی امید میں۔ اس بنا پر ان کے لئے میں نے ان کی آنکھوں کی فرحت اور ٹھنڈک کے لئے وہ نعمت تیار کر رکھی ہے، جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے حاشیۂ خیال میں اس کا گزر ہوا''

(۲)......''اور یہ لوگ رات کو کم سوتے اور سحر کے وقت توبہ و استغفار کرتے تھے''۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''حق تعالیٰ اپنے بندے سے رات کے پچھلے پہر سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لئے اگر تم سے ہو سکے تو ان بندگان خدا میں شامل ہو جاؤ، جو اس وقت خدا کا ذکر کرتے ہیں''۔

(۳)......اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے کمبل اوڑھنے والے! تم رات کو قیام کرو، نماز پڑھو، ہاں! کچھ رات کا حصہ مستثنیٰ ہے، آدھی رات، اس سے قدرے کم یا اس سے زیادہ کرو اور قرآن کو ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ایک سال تک نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ساری ساری رات نماز و عبادت میں گزاری۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ ان سب کے پیروں میں ورم آ گیا تھا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ''رات میں تہجد کی نماز پڑھیے، یہ بطور نفل ہے آپ کے لئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود یعنی شفاعت کبریٰ کا منصب عطا کر دیں''۔ تب تخفیف ہوئی اور اختیار دیا گیا کہ ''جو شخص چاہے اور جتنی دیر چاہے رات میں اٹھ کر نماز دو تلاوت اور عبادت میں مشغول رہے''۔

(۴)......اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سارے کے سارے برابر درجے کے نہیں ہیں، ان میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں رات کے اوقات میں پڑھتے ہیں،'' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تمہارے لئے رات کی نماز لازم ہے، کیوں کہ تم سے پہلے جتنے بھی خدا تعالیٰ کے نیک بندے رہے ہیں، یہ ان کا معمول

رہا ہے۔ یہ نماز خدا تعالیٰ کے قرب کے ذریعہ ہے، سیئات کے لئے کفارہ ہے، گناہ اور معصیت سے روکتی ہے۔اور حسد کو دور کرتی ہے۔''

(۵)......اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے، جب نیند سے اٹھیں، رات میں بھی اس کی تسبیح پڑھیے، نیز سجدوں کے بعد بھی''۔

(۶)......''اس روز (روز قیامت) کچھ چہرے روشن، ہنستے مسکراتے اور شاداں وفرحاں ہوں گے''۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو زندگی میں شب بے دار اور تہجد گزار تھے'' ایک حدیث میں ہے: ''جس شخص کی رات میں نماز زیادہ ہوگی، دن میں اس کا چہرہ حسین اور خوبصورت رہے گا''۔

نماز تہجد کی اسی فضیلت کے پیش نظر فرض نمازوں کے بعد اسے سب سے اہم عظیم، مہتم بالشان اور افضل ترین نماز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ''فرائض کے بعد کون سی نماز سب سے افضل ہے؟ فرمایا: ''درمیانی شب کی نماز''۔ دوسری حدیث میں ہے کہ'' ماہ رمضان المبارک کے بعد افضل ترین روزہ ماہِ محرم عاشورہ کا روزہ ہے اور فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے''۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''مسجد نبوی ﷺ میں ایک ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور ان سب سے کہیں زیادہ افضل وہ دو رکعتیں ہیں جو بندہ رات کے درمیانی حصے میں ادا کرے اور مقصد صرف خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو''۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے اس کے اوپر کے حصے سے جوڑے نکلیں گے اور نچلے حصے سے سونے کا گھوڑا، جس کی زین موتی کی اور لگام یاقوت کی ہوگی، نہ یہ پیشاب کرے گا نہ لید، اس کے کچھ پر بھی ہوں گے، اس کا ایک قدم اتنی دور پڑے گا، جتنی دور انسان کو نظر آسکے، اس پر جنتی سوار ہوں گے اور وہ جہاں چاہیں گے، یہ انہیں وہاں اڑا کر لے جائیگا۔ جو جنتی ان سے کم رتبے کے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ: خدایا تیرے ان بندوں کو یہ اعزاز کیوں کر ملا؟ تو ان سے کہا جائے گا کہ جب تم لوگ رات میں سوتے تھے، یہ اس وقت نماز پڑھتے تھے، جب تم کھاتے پیتے تھے تب یہ نفلی روزے رکھتے تھے اور جب تم بزدلی دکھاتے تھے تب یہ جنگ کرتے تھے۔'' آج جب کہ مسلمانان ہند، نیز مسلمانان عالم طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہیں ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں، شب بے دار بنیں، تہجد گزار ہوں، راتوں کو حق تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائیں اور اس سے اپنے حال پر رحم وکرم کی دعاء مانگیں۔ ان شاء اللہ مصیبتوں کی یہ تیرگی دور ہوگی اور امید کی کرن روشن ہوگی۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک

(تاریخ کا جھروکا)

ہندوستان کی تاریخ میں اٹھارویں صدی کا زمانہ بڑا پر آشوب تھا۔ پورا ملک طوائف الملو کی کی زد میں تھا جس کے باعث یونین جیک کے منحوس سایہ کو ہندوستان کی طرف پیش قدمی میں کوئی دشواری نہیں پیش آ رہی تھی مگر اس گئے گزرے وقت میں بھی ہندوستان کی گود ایسے جیالوں سے خالی نہ تھی جو اگر اپنے ہم وطنوں کے فریب کا شکار نہ ہوتے تو آج تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ مسلم ہندوستان کے جن جانباز سپوتوں نے انگریزی کے عزم کشور کشائی سے نبرد آزمائی اپنا فرض سمجھا ان میں سے بنگال کے بطل عظیم سراج الدولہ اور دکن کے مجاہد جلیل سلطان ٹیپو کی عظمت وحوصلہ کو برعظیم ہندوپاک کے لوگ خصوصاً مسلمان، کبھی نہیں فراموش کر سکتے۔

ان دونوں حکمرانوں نے اپنے اپنے ادوار میں ایسے مضبوط حصار قائم کئے کہ اگر خود ان کے درباریوں نے خودغرضی، ضمیر فروشی اور ہوس اقتدار کے باعث غداری نہ کی ہوتی تو یقینی بات ہے کہ انگریزی اقتدار کے قدم ہرگز یہاں نہ جم پاتے۔ 1757ء میں بنگال کے اندر سراج الدولہ نے انگریزی سامراج کے خلاف محاذ بنایا انگریز لارڈ کلائیو کی زیر قیادت اس محاذ پر مقابلہ کے لئے جمع ہوئے اور پلاسی کا خون ریز معرکہ پیش آیا عین لڑائی کے وقت سراج الدولہ کا وزیر میر جعفر اپنی فوج لیے انگریزوں سے نہ مل جاتا تو یہاں انگریزوں کو ایسی کاری ضرب لگتی کہ شاید وہ ہندوستان کے کسی دوسرے محاذ پر اٹھنے کی جرأت مشکل ہی کر سکتے۔

1757ء کے اس معرکہ میں کامیابی کے بعد انگریزوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ دکن میں اسی زمانہ میں ایک شیر پرورش پا رہا تھا۔ جنگ پلاسی کے تقریباً 40 سال بعد یہ شیر دکن کے کچھار میں دھاڑا اور چند ہی دنوں بعد انگریز کے نئے سامراجی ایوان میں زلزلہ آ گیا مگر یہاں بھی غداری کا وہی پارٹ دہرایا گیا جو پلاسی میں میر جعفر نے ادا کیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں جعفر کی بجائے غداری کا کردار ادا کرنے والا میر صادق تھا۔ میر صادق کی غداری کے باعث ہندوستان کا محافظ سرنگاپٹم کے قلعہ میں شہید کر دیا گیا اور

انگریزوں کے لئے پورے ہندوستان میں باآسانی پاؤں پھیلانے کے لئے راستہ صاف ہوگیا۔

انگریزوں نے پنجاب کشمیراور سرحد کے سوا پورے ہندوستان کو براہِ راست یا بالواسطہ اپنا باجگزار بنالیا۔ ایک طرف یہ حالت تھی دوسری طرف پنجاب کشمیراور سرحد کا کچھ علاقہ سکھوں کے مظالم کی چکی میں پس رہا تھا۔ اب اگر آزادی کا علم کہیں سے بلند کیا جاسکتا تھا تو وہ سرحد اور اس سے ملحقہ بہادر اور جنگجو قبائلیوں اور پٹھانوں کے علاقے ہی ہو سکتے تھے۔ قدرت نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھی ایک بطل جلیل اور مجاہد کبیر پیدا کیا مگر اس کی بے پناہ تنظیمی قوت کا شیرازہ بھی غداروں نے بکھیر کر رکھ دیا اور سکھوں نے اس کو اور اس کے مٹھی بھر بچے کچھے دل برداشتہ ساتھیوں کو بالا کوٹ میں ابدی نیند سلا دیا۔ ہمارا اشارہ سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جہاد کی طرف ہے۔ سید احمد بریلوی نے پورے ہندوستان سے مجاہدین کے گروہ جمع کئے اور قندھار کے راستے سرحد پہنچے مقصد یہ تھا کہ ان مجاہدین کو لے کر سرحد پہنچیں اور وہاں کے خوانین کو جو اپنی عاقبت نا اندیشی سے ایک دوسرے سے سر بگریبان رہتے ہیں اتحاد کی لڑی میں پروئیں اور ان کو ساتھ ملا کر پنجاب اور کشمیر سے سکھوں کا زور توڑ دیں۔ یہ انیسویں صدی کے ربع ثانی کے آغاز کا زمانہ تھا۔ سید صاحب سرحد پہنچے اور دعوت جہاد کا آغاز کیا تو سرحد کے خوانین یار محمد خان نے خان اور سلطان خاں وغیرہ کے علاوہ ان ملاوٹوں نے بھی سید صاحب کا ساتھ دیا جو علاقہ میں زبردست مذہبی اثر ورسوخ رکھتے تھے۔

اس جہاد میں غداری کا آغاز یار محمد خاں کی طرف سے کیا گیا۔ وہ سید صاحب کے اقتدار سے خائف تھا اس کو اندیشہ تھا کہ اگر سید صاحب کا اقتدار قائم ہوگیا تو خوانین کا آفتاب غروب ہو جائے گا۔ ادھر سکھ اس کے مزاج سے واقف ہونے کے باعث اس سے خفیہ ساز باز رکھتے رکھتے تھے چنانچہ جب معرکہ سکھوں اور مجاہدین کے درمیان پیش آیا تو مورخین کا بیان ہے کہ وہ پہلے چپ چاپ کھڑا رہا اور جب سکھوں کا حملہ ذرہ شدید ہوا تو یہ افواہ پھیلاتا میدان سے فرار ہوگیا کہ مجاہدین شکست کھا گئے۔ یار محمد نے دوسری خوف ناک سازش یہ کی سید احمد شہید کو جنگ کے دوران زہر دلوا دیا مگر اس کی یہ سازش اس لئے ادھوری رہ گئی کہ زہر پوری طرح سرایت کرنے سے پہلے پتہ چل گیا اور سید صاحب کا علاج کروالیا گیا۔ یار محمد خاں کی ان دونوں سازشوں کا ذکر تاریخ کی کئی کتابوں کے علاوہ ''التواریخ'' میں بھی تفصیل سے ملتا ہے۔ حسب ذیل عبارت قابل غور ہے ''اٹک پار کے لوگوں کا بیان ہے کہ جب جنگ کی آگ بھڑکی تو یار محمد خاں نے رنجیت سنگھ کے ساتھ ربط واتحاد کی پیش نظر رکھتے

ہوئے سید صاحب کو زہر دے دیا اور خود بھاگ نکلنے کی ٹھان لی اس کا لشکر بھی ساتھ ہی فرار ہو گیا۔''

یار محمد خاں کی غداری سے جنگ سیدو میں ایک اندازے کے مطابق 6 ہزار آدمی مارے گئے۔ سید صاحب نے درانی حکمرانوں اور جاگیرداروں کی یہ روش دیکھی تو انہوں نے ہر ایک کو خطوط لکھے جن مین یار محمد خاں بھی شامل تھا۔ ان تمام لوگوں کی روش اب معاندانہ ہو چکی تھی۔ وہ دشمنی اور شدید مخالفت پر تل گئے تھے چنانچہ انہوں نے غازیوں کو ہر ممکن طریقے سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد یار محمد خاں اور خادے خاں باقاعدہ جنگی کارروائیوں پر اتر آئے نتیجۃً یار محمد خاں جنگ زیدہ میں اور خادے خان جنگ ہنڈ میں مارا گیا۔ ان کے قتل کے بعد غداری کی روش چھوڑی نہیں گئی، امب کا فرمانروا پائندہ خان بھی غداری پر تلا بیٹھا تھا۔ مجاہدین نے امب پر حملہ کر کے اس کا کس بل بھی نکال دیا اور وہ فرار ہو گیا۔ ادھر یار محمد خاں کے قتل کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد خاں والیء کوہاٹ و بنوں کا رویہ بھی کچھ واضح نہ تھا۔ وہ کمزور طبیعت کا انسان تھا۔ سید صاحب نے اس کو خطوط لکھے اور تلخیاں دور کرنے کی کوشش کی جو یار محمد خاں کے قتل کے باعث پیدا ہو گئی تھیں مگر اس کی ماں نے ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور وہ بھی جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ کئی جنگیں لڑی گئیں آخر عاجز آ کر سلطان محمد خاں نے مصالحت کر لی اور پشاور جس کی فتح یقین ہو چکی تھی دوبارہ درانی خوانین کے حوالے کر دیا گیا مگر یہ صلح منافقانہ تھی۔ خوانین صلح کے پردے میں کچھ اور ہی کرنا چاہتے تھے چنانچہ اس کے بعد درانی سرداروں اور ملاؤں نے گاؤں گاؤں پھر کر خفیہ پروگرام بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ جو مجاہدین ہر گاؤں وہ ہر قصبہ میں انتظام و انصرام کی غرض سے پھیلے ہوئے ہیں ان کو ایک وقت میں ہلاک کر کے سید صاحب کو کمزور کر دیا جائے۔ سازش کامیاب رہی اور پھر ظلم و بربریت کا وہ مظاہرہ کیا گیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ''سید احمد شہید'' میں اس سازش کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ''مجاہدین کو پورے ملک میں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا'' اس حادثہ کے بعد سید احمد کا زور ٹوٹ گیا اور تاریخ نے فیصلہ کر دیا کہ اب پورے ہندوستان کو غلامی سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اگر درانی سرداروں نے مسلسل غداری نہ کی ہوتی اور سب سے بڑھ کر اگر یہ آخری خوفناک سازش نہ کی ہوتی تو ظاہر ہے کہ سید احمد شہید مرکز کو چھوڑ کر بالاکوٹ کی طرف ہجرت نہ فرماتے اور تاریخ کا وہ المیہ سرزمین بالاکوٹ پر نہ سٹیج کیا جاتا جو ماضی کے مسلم ہندوستان پر تا ابد طنزیہ مسکراتا رہے گا۔

اگر خوانین اپنے وعدوں کی پابندی کرتے اور حب الوطنی اور اسلام دوستی کا ثبوت دیتے تو قرآئن صاف بتا رہے تھے کہ رنجیت سنگھ کی حکومت کا تیا پانچا ہو جاتا۔ اس محاذ پر فتح پانے کے بعد انگریزوں کے مورچوں پر کامیاب یلغار کی جا سکتی تھی کیونکہ ان کے قدم ابھی اتنی مضبوطی سے نہیں جمے تھے۔ مگر برا ہو جاہ پسندی کا جو انسان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہے۔

کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں فلسفۂ قدیم اور سائنسی نظریات کی تردید اور اسلامی نظریۂ تخلیق کا اثبات واحقاق قسط ۶

(یعنی) قبل المسیح پانچ سو سے لے کر بیسویں صدی تک کائنات کے بارے میں مشہور فلسفیانہ وسائنسی نظریات کی مکمل تردید اور اسلامی نظریۂ تخلیق کائنات کا قرآن وحدیث اور علماء حق کے اقوال کی روشنی میں مدلل اثباتی بیان

حذیفہ وستانوی

حدیث سے قصۂ خلق:

عن عمران ابن حصین رضی الله تعالی عنه قال: قال اهل الیمن لرسول صلی الله علیه وسلم جئناک لنفقه فی الدین ونسألک عن اول الامر فقال: کان الله ولم یکن شیء قبله وکان عرشه علی الماء رواه البخاری.

(البدایة والنهایةص ۲۰)

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ یمن کے باشندوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کی خدمت میں دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے اور کائنات کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت کی ذات اکیلی تھی اور کائنات کا نام ونشان نہ تھا اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

اس کی مزید وضاحت لقیط ابن عامر العقیلی کی روایت میں ہے:

قال لقیط ابن عامر یارسول این کان ربنا قبل ان یخلق السموات والارض قال: کان فی عَمَاء ماخوقه هواء وما تحته هواء ثم خلق عرشه علی الماء .رواه الترمذی (البدایة النهایة ص ۱۹)

دونوں حدیثوں کو مؤرخ اسلام محقق کبیر علامہ سراج الحق مچھلی شہری رحمۃ اللہ علیہ بڑے عمدہ اسلوب میں سمجھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابورزین عقیلیؓ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہؐ! ہمارا پروردگار اپنی مخلوقات کے پیدا کرنے سے قبل کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا ”عما“ میں تھا کہ نہ اس کے نیچے

ہوا تھی نہ اس کے اوپر ہوا تھی اور اس نے پانی پر اپنا عرش پیدا کیا۔'' (ترمذی) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتیں فرمائی ہیں ایک یہ ہے کہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے صرف خدا کی ایک اکیلی ذات تھی اور کچھ نہ تھا ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا اور وضاحت سے یوں فرمایا ہے کہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ قَبْلَهُ شَیْءٌ (مشکوٰۃ) یعنی پہلے بس اللہ تعالیٰ کی ایک اکیلی ذات تھی اور ان سے پہلے (یا ان کے سامنے) کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ خدا عما میں تھا عما کی تشریح ذرا تفصیل طلب ہے اس کا مفہوم تو بادل کا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خدا بادل میں تھا مگر چوں کہ خدا کے سوا کوئی دوسری چیز تھی ہی نہیں اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ بادل کا الگ کوئی وجود نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی ذات جو سمجھ میں نہیں آسکتی بس کچھ ایسی حالت میں تھی جس کو فہم سے قریب کرنے کے لئے بادل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے خیر یہ معنی اس لحاظ سے تو ضرور مناسب ہیں کہ اکثر مواقع پر ذات حق کے ذکر کے ساتھ ایک ''بادل'' کا ذکر اکثر آیات وروایات میں آتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر بنی اسرائیل کے ستر نُقبا سے جب کلام فرمایا تو بادل ہی کے حجاب سے گفتگو فرمائی اور قیامت میں حساب کے لئے تشریف آوری بھی بادل 'غمام' کے حجاب میں ہوگی مگر میرے نزدیک اس کا دوسرا مفہوم خلا، عدم، اندھیرے کا مراد لینا زیادہ مناسب ہے یعنی عما سے ایسی منظری کیفیت مراد ہو کہ خلوت وتنہائی بھی ہو کہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو اور وقت بھی کچھ ایسا ہو جیسے صبح کے منہ اندھیرے اور جھٹ پٹے کا ہوتا ہے کہ نہ تو اندھیرا ہی ہو اور نہ تیز روشنی۔ اندھیرا تو اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور ہی نور ہے، جہاں وہ ہوں وہاں اندھیرے کا کیا ذکر؟ اور تیز روشنی اس لئے نہیں کہ روشنی کی ضرورت تو اشیاء کو ایک دوسرے سے امتیاز کرنے اور اشخاص واشیاء کو دیکھنے اور پہچاننے کے لئے ہوتی ہے۔ اور جب وہاں غیر خدا کچھ تھا ہی نہیں تو تیز روشنی بے ضرورت ہوئی۔ اسی مفہوم کو اندھیرے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بہرحال خدا کے عما ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے حق تعالیٰ کی ذات بالکل اکیلی تھی اور دوسری کوئی چیز نہ تھی عرش بھی نہ تھا وہ پانی بھی نہ تھا حق تعالیٰ کی جملہ صفاتِ کمال بھی خفا میں تھیں اور عالم یا اشیاء وغیرہ کے بجائے خلا وعدم تھا مگر چوں کہ

انسانوں کے لئے خلا کا تصور دشوار تھا حتی کہ بعض نے خلا کو محال کہہ دیا اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ توضیح بھی فرمادی کہ ''نہ اس کے اوپر ہوا تھی اور نہ اس کے نیچے ہوا تھی بس خلا ہی خلا، خفا ہی خفا اور عدم ہی عدم تھا'' چوں کہ عقل انسانی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی اس لئے حضرتِ شارع علیہ السلام نے اتنی اطلاع دے کر مستقل طور پر ممانعت فرمادی ''لَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ'' اللہ کی ذات پاک کے بارے میں زیادہ غور وفکر ہرگز نہ کرنا'' تیسری بات حضور نے یہ فرمائی کہ ''خدا نے پانی پر اپنا عرش (تخت) پیدا کیا''۔ اس میں جس پانی کا ذکر فرمایا ہے وہ کوئی خاص پانی تھا یہ آج کا مادی پانی نہ تھا وہی پانی اس وقت کی کائنات اور خدا کی سلطنت تھا۔

(قیام عالم اور حیات آدم ص ۶ تا ۸)

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم (محدث دارالعلوم دیوبند) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ٹھیک ہے، امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے، بعض لوگ اس کی تضعیف کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حضرت عمرانؓ کی مذکورہ بالا حدیث اس کی شاہد ہے۔

تمام کتابوں میں ''قَبلَ أن يَخلقَ خَلقه'' ہے یعنی کائنات پیدا کرنے سے پہلے پروردگار عالم کہاں تھے؟ مگر مسند احمد میں یہ حدیث دو جگہ آئی ہے، پہلی جگہ یزید بن ہارون کی روایت ہے، اس میں وہی الفاظ ہیں جو یہاں ترمذی میں ہیں، اور دوسری جگہ بہز بن حکیم کی روایت ہے، ان کے الفاظ ہیں (قَبلَ أن يخلق السماوات والارضِ) آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے پروردگار عالم کہاں تھے؟ اور ایک حدیث دوسری حدیث کی شرح کرتی ہے، پس سوال مطلق کائنات کے آغاز کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ اس عالم مشاہد کے آغاز کے بارے میں تھا۔

لفظ العماء : ممدود بھی ہوسکتا ہے اور مقصور بھی، العماء (ممدود) کے معنی ہیں: بادل، اور العمیٰ اور العما (مقصود) کے معنی ہیں: ليس معه الله تعالیٰ کے ساتھ کچھ نہیں تھا، یہ ترجمہ امام ترمذی کے استاذ الاستاذ یزید بن ہارون نے کیا ہے، جو کتاب میں ہے، مگر شراح عام طور پر پہلا ترجمہ کرتے ہیں، پس وہی ترجمہ صحیح ہے، کیوں کہ اگلے جملوں سے جوڑ بھی

اسی صورت میں ہوتا ہے۔

ماتحته اور مافوقه ما کیسا ہے؟ نافیہ یا موصلہ؟ شارحین نے دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، ما نافیہ کی صورت میں ترجمہ ہوگا، اس (بادل) سے نیچے ہوا نہیں تھی، نہ اس کے اوپر ہوا تھی، اور ما موصولہ کی صورت میں ترجمہ ہوگا، اس (بادل) سے نیچے ہوا تھی اور اس کے اوپر بھی ہوا تھی۔

هواء سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ ہوا مراد ہے جو عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر ہے، اور جو کرۂ ارض کو محیط ہے یا اس کے معنی خلا (خالی جگہ) کے ہیں، کیوں کہ عربی میں ہر خالی چیز کو بھی هواء کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: قلب هواء: خالی دل، اور سورہ ابراہیم (آیت ۴۳) میں ہے: (وَأَفئِدَتهم هَوَاء) ان کے دل خالی (بدحواس) تھے، شارحین کرام نے دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، میرے نزدیک **هواء** بمعنی خلا راجح ہے یعنی اس بادل سے اوپر اور نیچے خلا تھا یعنی بالفعل کوئی مخلوق موجود نہیں تھی، ابن ماجہ کی روایت میں ''**وما ثَمَّ خلق**'' وہاں کوئی مخلوق نہیں تھی، یہ تقریباً صراحت ہے کہ هواء بمعنی خلا ہے، کیونکہ کرۂ ہوا تو خود ایک مخلوق ہے۔

بادل: جس کا اس حدیث میں ذکر ہے: کیا ہے؟ کیا یہ اللہ کی کوئی صفت ہے یا یہ کوئی مخلوق ہے؟ عام طور پر شارحین نے اس کو اللہ کی صفت قرار دیا ہے، اور اللہ کی صفات کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، پس اس کی زیادہ کاوش ٹھیک نہیں۔

لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ بادل اللہ کی صفت نہیں ہے، بلکہ ایک مخلوق ہے، اور اس لفظ سے وجود منبسط کو تعبیر کیا گیا ہے ''**وجودِ منبسِط**'' یعنی پھیلا ہوا وجود، جو عالم مشاہد کا مادۂ تخلیق ہے، جیسے سورج نکلتا ہے تو فضا میں ایک نور (دھوپ) پھیل جاتا ہے، جس میں تقطیعات (ڈیزائنیں) نہیں ہوتی، پھر جب وہ نور روشن دان سے گزر کر گھر میں آتا ہے تو اس میں روشن دان کی ڈیزئینوں کے مطابق ڈیزائینین بن جاتی ہے، اور دھوپ کی مختلف شکلیں رونما ہو جاتی ہیں، اور یہ شکلیں عدم دھوپ کے احاطے سے پیدا ہوتی ہے ❁ اسی طرح زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالی نے ایک وجود پیدا کیا تھا، اور یہ وجود خالق نہیں تھا، بلکہ وجود مخلوق تھا، اسی وجودِ مخلوق کو اس حدیث میں بادل سے تعبیر کیا گیا ہے، تخلیق ارض وسماء سے پہلے یہ وجود ہر سو پھیلا ہوا تھا، جیسے آفتاب کا نور فضا میں پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر اس وجود منبسط کے حصے بنے، اس

طرح کہ ان کو عدموں نے گھیرا تو مخلوقات وجود میں آئیں، پس اس عالم مشاہد کی تمام مخلوقات ایک ہی وجود مخلوق کے حصے ہیں، اور اسی کا نام وحدت الوجود ہے، مگر ابن الوقت سمجھے نہیں، اور وجود مخلوق کو وجود خالق کے ساتھ کردیا، اور أنا الحق کا نعرہ بلند کردیا، یہ انکی ناسمجھی تھی۔

اس کی دوسری مثال: پانی میں اٹھنے والے بلبلے ہیں، بلبلے اٹھتے رہتے ہیں، ٹوٹتے رہتے ہیں اور اسی پانی میں ملتے رہتے ہیں، غرض تخلیق ارض سماء سے پہلے پانی پیدا کیا جاچکا تھا، اور عرش معلی اسی پر بچھایا گیا تھا پھر اس بادل (وجود مخلوق) کو جو فضا میں پھیلا ہوا تھا، عالم مشاہد (آسمان وزمین) کی صورت میں جلوہ گر کیا، اور اس طرح کائنات وجود میں آئی، بس حدیث کا اتنا ہی مطلب ہے، اس کے علاوہ جو کچھ کہا گیا ہے، وہ موشگافی ہے۔

سوال: سائل نے سوال کیا ہے: اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا: اور أین: مکان کو دریافت کرنے کے لئے آتا ہے، اور جواب میں فرمایا ہے، ''فی عماء'' اور فی ظرفیت کے لئے آتا ہے، پس کیا اللہ تعالی مکانی ہیں؟ یعنی ان کے لئے کوئی مکان ہے؟

جواب: اللہ تعالی نہ زمانی ہیں نہ مکانی یعنی وہ نہ زمانے کے محتاج ہیں نہ مکان کے، کیونکہ زمان ومکان انہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، پس خالق، اپنی مخلوق کا محتاج کیسے ہوسکتا ہے! البتہ خالق کا اپنی مخلوق کے ساتھ تعلق قائم ہوسکتا ہے، اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں اور اَاَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ میں اور وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ میں اسی تعلق کا بیان ہے، اسی طرح سوال میں جو این ہے اور جواب میں جو فی ہے، ان سے بھی یہی تعلق مراد ہے، مکانیت واقعی اور ظرفیت حقیقی مراد نہیں۔ (تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: ۲۹۰ تا ۲۹۳)

اس اقتباس سے قبل خلق کی کیفیت کا سمجھنا غالباً آسان ہوگیا ہوگا، میں نے کہیں بھی اپنی بات یا تأثرات کو بیان کرنے کی بے جا جسارت نہیں کی ہے، بلکہ اپنے سلف الصالحین ہی کی تحقیقات کو نقل کیا ہے، کیوں کہ مجھ جیسے نااہل بے بضاعت اور عاصی کے لیے اسی میں عافیت اور خیر ہے، اسی لیے میں نے قرآن وحدیث کے بعد امام ابن کثیرؒ اور علامہ سراج الحق مچھلی شہریؒ اور مفتی سعید صاحب پالن پوری کی کتابوں کا سہارا لیا ہے۔ اللہ ہر قدم پر ہماری نصرت فرمائے۔

آمین

سب سے پہلی تخلیق:

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا تو امام ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق جمہور علماء اہلسنت والجماعت کا رجحان قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عرش کو پیدا کیا کیوں کہ حدیث میں ہے:

''عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة قال وعرشہ علی الماء .

(رواہ مسلم کتاب القدرباب حجاج آدم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ رب العزت نے مخلوق کی مقادیر کومخلوق کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھدیا تھا، جب کہ اللہ کا عرش پانی تھا تو معلوم ہوا کہ پہلے عرش بنایا پھر قلم اور پھر لوح محفوظ۔ہم یہاں اس بحث کوطول دینانہیں چاہتے کہ پہلے کیا بنایا اور بعد میں کیا بنایا، کیوں کہ اگر یہ ضروری ہوتا تو اللہ اوراس کے رسول ضرور بیان کرتے ،معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں اور نہ ہی ہم اس کے مکلّف ہے اور نہ ہی اس کے نہ جاننے میں کوئی گناہ ہے۔اب دوسری تمام غیرضروری مباحث کوچھوڑ کرقرآن اوراحادیث صیحہ کے حوالے سے کائنات کی تخلیق کی مدت بیان کررہے ہیں۔

کائنات کی مدتِ تخلیق:

قرآن کریم نے کائنات کی مدت تخلیق کو جابجا بیان کیا ہے،کہیں اجمالاً تو کہیں تفصیلاً کہیں مبہم تو کہیں صریح انداز میں۔سورۂ اعراف میں فرمایا کہ **''اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ''**(سورۂ اعراف آیت ۵۴)

شیخ الاسلام فقیہ العصر نباض وقت علامہ مفتی قاضی محمد تقی عثمانی اطال اللہ بقائہ علینا بالعافیة والسلامة والبرکة والخیر اپنی مایۂ ناز اور بے مثال تفسیر توضیح القرآن المعروف

بآسان ترجمہ قرآن مع تشریحات میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے'' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ دنوں کا حساب موجودہ سورج کے طلوع و غروب سے نہیں ہوتا تھا اس وقت کے دن کا شمار بظاہر کسی اور معیار پر کیا گیا ہو، جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور یوں تو اللہ کو یہ بھی قدرت تھی کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے پوری کائنات وجود میں لے آتا لیکن اس عمل کے ذریعہ انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کو ترغیب دی گئی (۴۶۰)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: ''قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ'' کہہ دو کہ کیا تم واقعی اس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرائے ہو وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے اور اس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے، جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں، اور اس میں برکت ڈال دی اور اس میں توازن کے ساتھ اس کی غذائیں پیدا کیں سب کچھ چار دن میں (ایضاً ۱۴۵۶)

آگے تفسیر کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں کہ: ان چار دنوں میں زمین کی تخلیق بھی شامل ہے جس کے بارے میں پیچھے فرمایا گیا تھا کہ وہ دو دن میں مکمل فرمائی گئی لہٰذا دو دن میں زمین پیدا کی اور دو دن میں اس پر پہاڑ اور دوسری انسانی ضرویات کی چیزیں اور خوراک وغیرہ کو پیدا کرنے کا انتظام فرمایا اس طرح زمین اور اس کے اوپر کی اشیاء پیدا کرنے میں چار دن لگے اور دو دن میں ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا اس طرح کائنات کی تخلیق کل چھ دن میں مکمل ہوں (ایضاً ۱۴۵۷)

مقام تعجب ☆ یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے اور دوسری چیزوں کو اس کی برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔
(تفسیر عثمانی)

آسمان وزمین کی تخلیق میں ترتیب: بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یوں تو زمین وآسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر ومفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا پیچھے کیا بنا۔یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اس حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سّیال کے سات آسمان بنا دیئے۔امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔(بیان القرآن-سورہ بقرہ رکوع ۳)(معارف مفتی اعظم)

زمین کی برکت: ’’اور برکت رکھی اس کے اندر‘‘یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں اور’’ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی‘‘یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔(تفسیر عثمانی)

وَبٰرَکَ فِیۡھَا وَقَدَّرَ فِیۡھَا اَقۡوَاتَھَا فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ۔ اقوات قوت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں۔کما قال ابو عبید(زادالمسیر لابن جوزی)۔

ہر خطۂ زمین کے الگ الگ خصوصیات کی حکمت

اور حضرت حسن اور سدی نے اس تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ میں اس کے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرما دی۔مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصۂ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔اسی تقدیرِ الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہو گئیں، ہر جگہ مختلف قسم کی

معدنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطہ کی ضروریات اور ان کے مزاج ومرغوبات کے مطابق پیدا فرمادیئے۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات وملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔یمن میں عصب۔سابور میں سابوری رئے میں طیالسہ۔کسی خطہ میں گندم، کسی میں چاول اور دوسرے غلاف، کسی جگہ میں روئی، کسی میں جونٹ، کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم،اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے،اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں۔کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو۔باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہوسکتی ہے۔عکرمہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کی برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

ضرویات انسانی کا بے مثال گودام

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات غذا مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنادیا ہے۔جس میں قیامت تک آنے والے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھدی ہیں، وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔انسان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔
(معارف مفتی اعظم)

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا اور زمین کے باشندوں کی روزی زمین ہی میں مقرر فرمادی۔ اقواتھا میں مضاف محذوف ہے یعنی اقوات اھلھا۔حسن نے کہا اللہ نے زمین میں انسانوں اور چوپایوں کی روزی الگ الگ مقرر کردی جو چیز جس کیلئے مناسب اور ذریعہ زندگی تھی۔وہ اس کودیدی۔عکرمہ اور ضحاک نے کہا کہ ہر شہر میں وہ چیز پیدا کی جو دوسرے شہر میں نہیں پیدا کی تاکہ ایک شہر والے دوسرے شہر کو لے جائیں اور اس طرح باہم تجارت کرکے زندگی بسر کریں۔کلبی نے کہا کہ کسی طرف والوں کو روٹی کسی سمت والوں کو (صرف) جوار کسی کو چھوارے اور کسی جانب کے رہنے والوں کو مچھلیاں عطا کیں (یعنی ہر سمت کے رہنے والوں کو خاص خاص قسم کی کھانے کی

چیزیں عنایت کی۔(تفسیر مظہری)

فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ

چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو☆

پیدائش زمین کی مدت ☆یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو دن میں اس کے متعلقات کا بندوست ہوا۔جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی بیشی کے۔حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا''۔**دن کا مطلب** (تنبیہ) یہاں ''دنوں'' سے مراد ظاہر ہے معروف متبادر دن نہیں ہوسکتے کیوں کہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں، لامحالہ ان دونوں کی مقدار مراد ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ''وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ''۔(سورۃ الحج۔رکوع ٦) واللہ اعلم۔(تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ

پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا☆

☆یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح۔اس کو بانٹ کر سات آسمان کیے جیسا کہ آگے آتا ہے (تنبیہ) ممکن ہے ''دخان'' سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔(تفسیر عثمانی)

ثُمَّ کا معنی: ثم کا اس جگہ استعمال تاخیر زمانہ کے لئے نہیں ہے کیوں کہ پہاڑوں کی تخلیق زمین کو بچھانے اور ہموار کرنے کے بعد ہوئی اس لئے تاخیر زمانی تو مراد نہیں ہوسکتی بلکہ دونوں تخلیقوں میں تفاوت کے اظہار کے لئے ثم کا استعمال کیا۔دخان کیا ہے: وَہِیَ دُخَانٌ شاید دخان سے مراد مادۂ دخان اور وہ چھوٹے چھوٹے اجزا ہوں جن سے آسمان بنالیا گیا ہے۔آسمان کا مادہ دخان یعنی آبی بخارات ہیں کذا قال البغوی (فلاسفہ یونان اور علماءِ طبعیات کے نزدیک دخان نام ہے ارضی اور آتشی اجزاء کے مخلوط امتزاجی قوام کا اور بخار نام ہے آبی و ہوائی اجزاء کے مرکب امتزاجی کا لیکن بغوی کے قول پر دخان سے مراد آبی بخارات ہیں)۔(تفسیر مظہری (اردو) جلد دہم)

MONTHLY MAGAZINE
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213